جدید جغرافیہ پنجاب

جسے محکمۂ تعلیم نے منظور نہیں کیا

سندباد جہازی

ناشر

اردو اکیڈمی لاہور

نذر

تھرڈ پروجیکٹ کے نام

سندباد جہازی

فہرست

ختم

مقدّمہ

اکبر الٰہ آبادی پر بحث ہو رہی تھی۔ ایک کانگریسی دوست کہنے لگے۔ کہ اگر اکبر خان بہادر نہ ہوتے، سرکاری ملازم اور پنشن خوار نہ ہوتے، تو بڑی ولولہ انگیز نظمیں لکھتے۔ فرنگی سامراج کی جڑیں ہلا دیتے۔ ممکن ہے اس "اگر" میں عقلی امکان کی گنجائش ہو۔ مگر وہ نظمیں شاید ولولہ انگیز ہوتیں، عقل افروز، سحر گر نہ ہوتیں۔ ہجو کا جو تنقیدی معاشرتی انداز خان بہادری نے پیدا کیا۔ بیباک خطابت ہی گم ہو جاتا۔ پہلو دار طنز سے جو گہرا گھاؤ پڑتا ہے۔ جو ٹیس اٹھتی ہے۔ وہ خطیبانہ حملہ آوری کو نصیب نہیں۔ وہی جاٹ رے جاٹ تیرے سر کھاٹ" اور "تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولھو" کا فرق ہے۔

یہ پہلو دار طنز یہ انداز تحریر حالات کی پیداوار ہے۔ عرب کے آزاد بدو مذمت کرتے تو کھلم کھلا اور فخریہ مدح کرتے تو صاف صاف۔ انہیں کسی حکومت کا خوف نہ تھا کسی بادشاہ سے انعام و اکرام کی توقع نہ تھی۔ جو دل میں آتا مُنہ سے نکل جاتا۔ بدوی نظام معاش و سیاست آزادی پر در تھا۔ شاعری بھی بداہت پر مبنی تھی۔

ایرانی ادب مطلق العنان سلاطین کے درباروں میں پھلا پھولا۔ جبر اور قہاری کی فضا میں دل اور زبان کا فیصلہ بڑھتا گیا۔ حقیقت نے مجاز کی پناہ میں ہزار دل آویز استعارے۔ بلبل اور صیاد۔ گلچیں اور باغبان۔ دربان اور رقیب جام و ساقی۔ ایک دد

نہیں کنایات اور استعارات کا ایک لامتناہی سلسلہ بن گیا۔ جب کوئی مظلوم کسی حاکم کے تشدد سے مجبور ہو کر فریاد کرتا۔ تو اسے بلبل اور صیاد کی یاد آتی۔ جان کی امان پاتا ہُوا پکار اُٹھتا۔ مگر ایرانی شاعری سے مثال دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اُردُو کے شاعروں نے بھی انہیں مجازات کو استعمال کیا ہے۔ عدم تعاون کے ابتدائی دور میں جب گرفتاریوں کا اتنا ہجوم تھا۔ کہ جیل خانے کم تھے اور قیدی زیادہ۔ یہ شعر کس قدر حسبِ حال تھا ؎

یہی کثرت ہے اسیروں کی تو میرا ذمہ
اے صیاد جو دو دن بھی ترا دام چلے

ملکی تحریکِ آزادی کی ابتدا میں جب یہ بحث کی جاتی تھی۔ کہ کیا ہندوستانی اس قابل ہیں۔ کہ وہ اپنے ملک میں آپ حکومت کر سکیں (یہ بحث اب فقط انگلستان کے متشدد ٹوڑیوں میں ہوتی ہے) تو اکثر آزاد خیال اخبارات میں لمبے لمبے مقالے شائع ہوتے۔ جلسوں میں دھواں دھار تقریریں کی جاتیں۔ ان پر ضمانتوں کی ضبطی اور جرمانہ کا حکم لگایا جاتا۔ اکبر الہ آبادی نے خان بہادری۔ سشن ججی اور پنشن خواری کے ہوتے ہوئے اس بحث کو ایک شعر میں ختم کر دیا۔ کہ ؎

کر دو نہ کچھ فکر جام و ساقی بہار آنے تو دو چمن میں
گلوں سے ٹپکے گا رنگِ مستی ہُوا کریگی شراب پیدا

یہ پہلو دار شاعری ہمیشہ سیاسی جبر کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ سماجی اور معاشی بندشوں سے بچاؤ کے لئے بھی یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ تھکے ہوئے احساس کی بیداری کے لئے پرانی شراب نئی بوتلوں میں پیش کی جاتی ہے۔

مجازات کے استعمال سے، پردے پردے میں حقیقت حال کے اظہار سے بیان میں ایک نئی طرح کی تازگی آجاتی ہے۔ جیسے چاند بادلوں میں چھپ جائے یا چاند کا سا چہرہ نقاب پوش ہو جائے، اور پھر جو پردہ اٹھایا جائے۔ تو یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ دن نکل آیا۔ چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں!

"پنجاب کا جغرافیہ" مجازات کے ان تمام محرکات کا نتیجہ ہے۔ سیاسی جبر سے بچاؤ، معاشی بندشوں سے پناہ، سماجی رکھ رکھاؤ کا لحاظ اور بیان کے بانکپن کا تقاضا ——

اس تصنیف میں ان سب کا اظہار موجود ہے۔ ان تہ بہ تہ پردوں میں سے آزادی کا نور چھن چھن کر نکل رہا ہے۔ اور یہ محض سیاسی پارٹی بازی کی آزادی نہیں۔ یہ آزادی ایک ادیب، ایک صاحب علم و فکر کی آزادی ہے۔ وہ آزادی جو ہر انسان کا پیدائشی حق ہے آزادئ گفتار! —— جسکے بغیر جمہوریت ایک ساعت زندہ نہیں رہ سکتی۔

آنے والے جمہوری ہندوستان کے مؤرخوں کیلئے "پنجاب کا جغرافیہ" بہترین مواد مہیا کریگا۔ اور موجودہ دور کے اہل نظر حضرات کیلئے سرمۂ بصیرت کا کام دیگا۔ دیکھیں ہمارے ادیب اس مثال سے کیا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور نہیں تو طرز نگارش کے بانکپن کا تتبع ہی سہی!

ڈاکٹر تاثیر

(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

عرضِ ناشر

جدید جغرافیہ پنجاب غالباً ۱۹۳۹ء کے آغاز میں باقساطِ "شیرازہ" میں نکلنا شروع ہُوا تھا ابھی اس سلسلہ مضامین کی ایک دو قسطیں ہی چھپی تھیں۔ کہ پنجاب کے ہر پڑھے لکھے شخص کی زبان سے ان کا ذکر سنائی دینے لگا۔ ان دنوں حسرت صاحب کی دوسری مصروفیتوں کی وجہ سے "شیرازہ" بے قاعدگی سے شائع ہوتا تھا۔ بیچ بیچ میں مہینہ مہینہ بھر اُس کا کوئی پرچہ نہ نکل سکا۔ پھر بھی لوگوں کی دلچسپی برابر قائم رہی۔ اور جب یہ پرچہ چھپ کے بازار میں پہنچا۔ لوگ بے اختیار ٹوٹ پڑے۔

جدید جغرافیہ کی چند قسطیں پڑھ کر مجھے خیال ہُوا۔ کہ اسے ا۔ دو اکیڈیمی کے اہتمام سے کتابی صورت میں چھاپا جائے۔ میں نے حسرت صاحب سے ذکر کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ بھی اسے کتابی صورت میں چھاپنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ لیکن وُہ خود اسے چھاپنا چاہتے ہیں۔ بعض پبلشروں نے ان سے معاملہ کرنا چاہا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر کئی ہفتوں کی گفت و شنید کے بعد میں نے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا۔ کہ وہ خود طباعت و اشاعت کی زحمت اٹھانیکے بجائے جغرافیہ کی طباعت کا معاملہ ارُدو اکیڈیمی کے سپرد کر دیں۔ یہ غالباً گذشتہ ستمبر کا واقعہ ہے۔ لیکن کتاب ابھی ناتمام تھی اور حسرت صاحب کو اس بات پر اصرار تھا۔ کہ پوری کتاب "شیرازہ" میں شائع ہو جائے۔ اس سے دسمبر تک اسکی کتابت شروع نہ ہو سکی۔

جتنا مسودہ میرے پاس موجود تھا۔ اسکی کتابت جنوری ۱۹۴۰ء میں ختم ہو گئی۔

انہیں دنوں اتفاق سے حسرت صاحب کو کشمیر جانا پڑا۔ اور انکے واپس آنے تک کتابت مکمل نہ ہو سکی۔ کتابت مکمل ہوئی تو معلوم ہوا۔ کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ از سرِ نو کتابت کرائی جائے۔ اس مرتبہ منشی محمد صدیق صاحب سے کتابت کرائی گئی۔ اور اس طرح یہ کتاب جسے دسمبر ۱۹۳۹ء کے اواخر میں شائع ہونا چاہیے تھا۔ اپریل ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔

کتاب کے عام مطالب کے متعلق کچھ کہنا میرا منصب نہیں تاہم یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا۔ کہ اردو اکیڈیمی ایک ایسی کتاب پیش کر رہی ہے۔ جو اپنے اچھوتے انداز کے اعتبار سے اردو زبان میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔

۱۵ اپریل ۱۹۴۰ء

محمد حنیف

برمز نکته ادا می کنم که خلوتیاں

سرِ سبو بگشادند و در فرو بستند

پہلا باب

محلِ وقوع

حکومت پنجاب جسے عام اصطلاح میں پنجاب کی اتحادی حکومت بھی کہتے ہیں۔ پہاڑوں اور دریاؤں سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے شمال مغرب میں غسان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان بھیجے چلے گئے ہیں۔ یہ دونوں کوہستانی سلسلے بالکل چٹیل ہیں۔ البتہ ان کے بعض حصے سُرخ کھدر سے ڈھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلئے

انہیں سُرخ پوش پہاڑ بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں آتش فشاں پہاڑ ہیں۔ اور کبھی کبھی ان سے لاوا بہ نکلتا ہے۔

شمال میں تحریک کشمیر ہے۔ جو ایک مشہور ندی کا نام ہے۔ یہ ندی خانقاہِ معلّی سے نکل کر ہری پربت کے جھیل میں جا گرتی ہے۔ لیکن ان دنوں بالکل خشک پڑی ہے۔

مشرق میں بحیرہ پنت ہے۔ جس میں بہت سے جزیرے واقع ہیں۔ اس سمندر کا سب سے بڑا جزیرہ سوراج بھون ہے۔ جو گاندھی ٹوپی کے کھیتوں اور چرخوں کی فصل کے لئے مشہور ہے۔ بحیرہ پنت سے جو ہوائیں اٹھتی ہیں وہ مرکزی اسمبلی کے میدان میں خوب مینہ برساتی ہیں۔ لیکن کوہ چھوٹو رام انہیں پنجاب تک نہیں پہنچنے دیتا۔

جنوب مغرب میں دریائے اللہ بخش بہتا ہے۔ جو اپنا راستہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کنارے کوئی بڑا شہر آباد نہیں ہو سکتا۔ اس دریا کے دہانے کے متعلق اختلاف ہے۔ کبھی یہ بحیرہ کانگریس میں جا گرتا ہے۔ اور کبھی خلیج لیگ میں۔

جنوب میں ایوان والیان ریاست کے کھنڈر ہیں جس کی اینٹوں سے فیڈریشن کا راج بھنگ مندر بنایا جا رہا ہے۔

قدرتی تقسیم

(۱) اتحادی سلسلہ کوہ۔ (۲) اشتراکی جوالا مکھی

(۳) احراری کاہستان (گھاس کے میدان) (۴) کانگریسی سلسلہ کوہ

(۵) اکالی جنگلات
وادیٔ لیگ
۷- ہندو سبھا کی ترائی

اتحادی سطح مرتفع

یہ سطح مرتفع پنجاب کے تین چوتھائی حصّہ پر شمالاً جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ اس کا بہت حصّہ بنجر ہے۔ روئیدگی کہیں کہیں ہی نظر آتی ہے۔ اس کی آب و ہوا سرد و خشک ہے۔ بحیرہ پنت سے جو ہوائیں اٹھتی ہیں۔ وہ یہاں تک پہنچنے نہیں پاتیں۔ اس سطح مرتفع کو سدّ سکندری بھی کہتے ہیں۔

کانگرسی سلسلہ کوہ

اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک کو ست پڑا کہتے ہیں۔ اور دوسری کو بھاد گو پربت ست پڑا احراری کاہستان اور اشتراکی جوالا مکھی کے درمیان واقع ہے اور بھار گو پربت اتحادی سطح مرتفع اور اکالی جنگلات سے ملا ہوا ہے۔ اس کے ایک طرف وادیٔ لیگ ہے۔ اور دوسری ہندو سبھا کی ترائی۔

ست پڑا پر صرف کہیں کہیں زیر درختی نظر آتی ہے۔ بھار گو پربت میں سونے چاندی کی بہت سی کانیں ہیں۔ اور اس کے مشرقی حصّہ میں جو اکالی جنگلات سے ملا ہے۔ صنوبر اور شمشاد کے درخت بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کی لکڑی سے لنگھیا اور سرکاری دفتروں کا فرنیچر بنتا ہے۔ اس پہاڑ میں بہت سے چھوٹے چھوٹے درے ہیں۔ جن کے ذریعہ اتحادی سطح مرتفع اور اکالی جنگلات کے مابین سلسلہ رسل و رسائل قائم ہے۔

جو اشتراکی جوالامکھی

یہ آتش فشاں پہاڑ وسط پنجاب سے شروع ہو کر مشرق کی طرف پھیلتا چلا گیا ہے۔ علم طبقات الارض کے ماہرین کا خیال ہے۔ کہ اس پہاڑ کا تعلق آتش فشاں پہاڑوں کے اس مشہور سلسلہ سے ہے۔ جو ماسکو سے شروع ہوتا ہے اور وسط ایشیا سے ہوتا ہوا زمین کے اندر ہی اندر میرٹھ اور کانپور تک چلا جاتا ہے۔

اشتراکی جوالامکھی کی رنگت سیاہ ہے۔ خاص خاص موسموں میں اس سے سرخ شعلے بھی بلند ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ بعض اوقات اس جوالامکھی کے اندرونی تغیرات کی وجہ سے شدید زلزلے بھی آتے ہیں۔ جو اتحادی سطح مرتفع میں بہت زیادہ محسوس کئے جاتے ہیں۔ جب اس آتش فشاں پہاڑ پر سکون طاری ہو جاتا ہے۔ تو اتحادی سطح مرتفع کے باشندے اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۳۱ء میں اس کی وجہ سے شدید زلزلے آتے رہے ہیں۔ جن سے پنجاب کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکا۔ اتحادی سطح مرتفع کے داناؤں نے ان زلزلوں سے بچنے کے لئے تعویز ایجاد کئے ہیں۔ جنہیں نقش سکندری کہتے ہیں۔ یہ تعویز دیہات کے باشندوں میں بڑی کثرت سے تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ ایک مشہور فرنگی عامل کا اس کا خیال ہے کہ اگر ان تعویزوں کے ساتھ ساتھ ہر گاؤں میں کثرت سے کھاد کے گڑھے کھودے جائیں۔ اور مکانوں میں روشندان لگوا دیئے جائیں۔ تو لوگ اشتراکی جوالامکھی پر بسنے والے بھوتوں پریتوں سے محفوظ رہیں گے۔ بنگال کے مشہور عامل حکیم فضل شاہ جادو شکن کا بھی یہی خیال ہے۔

احراری کاہستان گھاس کے یہ میدان ست پڑا کی ڈھلوانوں سے شروع ہو کر مسلم لیگ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کاہستان میں ہر طرف بھیڑ بکریاں چرتی پھرتی ہیں۔ یہاں زیادہ تر خانہ بدوش قبائل آباد ہیں۔ جو ایک جگہ نہیں رہتے اور بھیڑ بکریوں کے گلے لئے ادھر ادھر گھومتے پھرتے ہیں۔ گرمیوں میں یہ لوگ ست پڑا کی ڈھلوانوں کے پاس خیمے گاڑ دیتے ہیں۔ اور جاڑے میں ہٹ کر وادیٔ لیگ کی طرف چلے آتے ہیں یہی وجہ ہے۔ کہ ان لوگوں کی زبان اور خیالات میں وادیٔ لیگ اور کانگرسی سلسلہ کوہ دونوں کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ احراری کاہستان کے آزاد قبائل اتحادی سطح مرتفع کے باشندوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان میں سرحدی جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ جو بعض اوقات سخت خطرناک صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ یہ جھگڑے عام طور پر موسم بہار میں ہوتے ہیں۔ جب کاہستان کی سرسبزی پورے جوبن پر ہوتی ہے۔ قحط کے زمانے میں اکثر اہل قبائل دوسرے ملکوں میں چلے جاتے ہیں۔ اور محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں۔

اکالی جنگلات۔

یہ خودرو جنگلات بہار گو پربت اور اتحادی سطح مرتفع سے شروع ہو کر اشتراکی جوالا مکھی تک چلے گئے ہیں۔ گھنے جنگلات کا یہ وسیع خطہ خدا کی قدرت کا عجیب نمونہ ہے۔ دنیا کے کسی حصہ میں اس قسم کے جنگلات نہیں ملتے۔ یہاں سورج کی شعاعیں بڑی مشکل سے سطح زمین تک پہنچتی ہیں۔ اور بعض مقامات تو ایسے ہیں جہاں ہوا کا گذر بھی بڑی دقت سے ہوتا ہے۔ ان جنگلات میں ہر قسم کے جانور ملتے ہیں لیکن جو خوفناک

بہت لوگ یہاں بستے ہیں۔ وہ بہت محنتی۔ جفاکش اور تنومند ہوتے ہیں۔ اتحادی سطح مرتفع کے سوداگر ہمیشہ ان جنگلات کا ٹھیکہ لینے اور اس کی لکڑی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ لوگ کسی کو لکڑی کاٹنے کی اجازت نہیں دیتے

وادئی لیگ۔

یہ وادی ایک مشہور دریا دریائے ظفر علی خان[1] نے اتحادی سطح مرتفع کو کاٹ کر بنائی ہے۔ زمانہ قبل از تاریخ میں یہ دریا سوراج بھون کے پاس بہتا تھا۔ لیکن اب اتحادی سطح مرتفع کو سیراب کرتا ہے۔ وادی لیگ کو اس دریا کے نام پر "ہدیہ ظفر علی خان" بھی کہتے ہیں۔ کبھی کبھی اس دریا میں اس زور سے طغیانی آتی ہے۔ کہ اس وادی کی فصلوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ اتحادی سطح مرتفع کے باشندے اس وادی کی پیداوار سے بہت فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ہندو سبھا کی ترائی۔

اتحادی سطح مرتفع کی سب سے اونچی چوٹی سکندر مونٹ کے دامن میں ہندو سبھا کی ترائی ہے۔ یہاں سال بھر موسلا دھار بارش ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے یہاں مچھروں کی کثرت ہے۔ اور ملیریا بہت ہوتا ہے۔ اس ترائی میں ٹھنڈے اور گرم پانی کے چشمے کثرت سے پائے جاتے ہیں گرم چشموں میں نارنگ سر اور سرد چشموں میں زمیندار ناگ خاص طور پر مشہور ہیں۔

[1] مجھ کو نہ تعاون نہ تعامل کی ضرورت   میں آپ ہوں دریا مجھے کیا پل کی ضرورت
(ظفر علی در بہارستان)

امتحانی سوالات

(۱) کیا وجہ ہے۔ کہ دریائے الہ بخش کے کنارے کوئی بڑا شہر آباد نہیں ہو سکتا؟

(۲) آج کل دریائے الہ بخش کہاں سے نکلتا ہے۔ اور کہاں جا گرتا ہے۔ نیز یہ بھی بتاؤ۔ کہ اگلے سال یہ دریا کہاں سے نکلے گا۔ اگر تم نہیں جانتے۔ تو اپنے باپ سے پوچھ کر بتاؤ۔

اس اتحادی سطح مرتفع کو سدِ سکندری کیوں کہتے ہیں؟

(۴) ست پڑا اور بھارگو پربت میں سے کونسا پہاڑ زیادہ اونچا ہے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر بتاؤ۔

(۵) تمہارے سکول میں جو کرسیاں اور بنچیں ہیں۔ اُنکی لکڑی کہاں سے آئی ہے۔ اُس کی لکڑی سے چرخے کیوں نہیں بن سکتے؟

(۶) نقش سکندری کے متعلق عامل حکیم فضل شاہ جادو شکن کا کیا خیال ہے؟

(۷) احراری کاہستان کے باشندوں کی شکل و صورت کیسی ہوتی ہے۔ ان میں اور اکالی جنگلات کے باشندوں میں کیا فرق ہے؟

(۸) داد ئی لیگ کو بدیہٴ ظفر علی خان کیون کہتے ہیں؟

(۹) ہندو سبھائی ترائی میں مچھروں کی کثرت کیوں ہے؟

ہدایات

استاد ہر لڑکے سے پوچھے۔ کہ ان کے گھر میں کتنی گائیں۔ کتنی بھینسیں۔ کتنی بکریاں کتنی مرغیاں اور کتنے ووٹ ہیں؟ جس لڑکے کے گھر میں کوئی ووٹ نہ ہو۔ اُسے کلاس سے نکال دیا جائے۔ کیونکہ اس کا تعلیم حاصل کرنا بالکل بے سود ہے ٭

دُوسرا باب

آب وہوا اور بارش

آب وہوا

کسی ملک کی آب وہوا معلوم کرنے میں سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھنا چاہئیے کہ وہ ملک خطِ استوا سے کتنے فاصلہ پر واقع ہے۔ پنجاب خطِ استوا سے جسے عام لوگوں کی بولی میں گاندھی بھی کہتے ہیں۔ بہت دُور اور بحیرہ منجمد انگلیسی کے قریب واٹش ال کے منطقہ باردہ میں واقع ہے۔ بحیرہ منجمد انگلیسی وہی سمندر ہے۔ جو فاسزم کے قطب مغربی کے پاس واقع ہے۔ اس سمندر کے قرب نے پنجاب کی آب وہوا پر بہت اثر

ڈھلاؤ ہے۔ اگر خطِ استوا اس کے قریب آنا چاہے۔ تو یہ زمین کی گردش افلاطونی کی وجہ سے ہٹ کر قطب مغربی کے زیادہ قریب ہو جاتا ہے۔

دوسری بات جو کسی ملک کی آب و ہوا پر بہت اثر ڈالتی ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ہے۔ پنجاب کے اکثر حصے بحر کانگرس کی سطح سے ڈھائی ہزار فٹ اونچے ہیں۔

آب و ہوا کے سلسلہ میں تیسری اہم چیز ہواؤں کا رُخ ہے۔ بحر کانگرس سے سول نافرمانی کی چلچلاتی ہوئی گرمی میں جو ہوائیں بخارات سے لدی ہوئی اٹھتی ہیں ان کا زور سوراج بھون تک ختم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کچھ ہوائیں پنجاب تک پہنچتی ہیں۔ اور ست پڑا اور احراری کاہستان میں برس پڑتی ہیں۔ کچھ بخارات سے لدی ہوئی ہوائیں اتحادی سطح مرتفع سے گزرتی ہوئی کوہستان عبد الغفار سے ٹکرا کر سرخپوش میدانوں میں بڑے زور کا مینہ برساتی ہیں۔

موسمی ہواؤں کا دوسرا قافلہ خلیج سرکار سے چلتا ہوا سکندر مونٹ سے ٹکرا کر اکالی جنگلات میں مینہ برساتا ہے۔ اس کی وجہ سے ہندو سبھا کی ترائی میں خوفناک دلدلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن میں کثرت سے مچھر۔ مکھیاں اور دوسرے کیڑے مکوڑے پیدا ہوتے ہیں۔

لیکن پنجاب کی آب و ہوا کے متعلق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ اسلئے بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ قدرت نے اس صوبہ کو آب و ہوا سے بہت حد تک محروم رکھا ہے۔ مگر یہ خیال درست نہیں۔ قدرت نے پنجاب کو آب و ہوا تو ضرور

عطا کی ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس کی آب و ہوا غیر یقینی سی ہے۔ کبھی کئی کئی سال تک آئین پسندی کا جاڑا رہتا ہے۔ اور لوگ بلوں کے کاغذی الاؤ کے سامنے آگ تاپتے نظر آتے ہیں۔ کبھی سول نافرمانی کی گرمی مدت تک چین نہیں لینے دیتی۔ اور لوگ ترنگے جھنڈوں کے برقی پنکھوں تلے آرام پاتے اور دفعہ ۱۴۴ کو توڑ کے اس کے برفاب سے پیاس بجھاتے ہیں۔ حقوق کی بارش ہوتی ہے۔ تو چھین انچ تک ہو جاتی ہے۔ اور خشک سالی کا زمانہ آتا ہے۔ تو برسوں روئیدگی کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا۔ پھر تماشا یہ ہے۔ کہ پنجاب کی آب و ہوا کبھی شملہ چلی جاتی ہے۔ اور کبھی لاہور آجاتی ہے۔ اس غیر یقینی آب و ہوا نے پنجاب کے لوگوں کی طبیعت پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی بے اصولی کی وجہ سے آس پاس کے ملکوں میں بہت بدنام ہیں۔

پنجاب کے موسموں کی بوقلمونی اور رنگا رنگی پر غور کیا جائے تو خدا کی قدرت یاد آتی ہے۔ ابھی مطلع بالکل صاف ہے۔ نہ ہوا میں خنکی نہ آسمان پر ابر کا کوئی ٹکڑا نظر آتا ہے۔ اتنے میں پروا ہوا لہکنے لگتی ہے۔ آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ اور جل تھل ایک ہو جاتا ہے۔ کبھی خلیج لیگ سے حقوق کی بدلیاں کلچر کی تجارتی ہواؤں کے دوش پر سوار ہو کر چار کوٹ پھیل جاتی ہیں۔ اور ایسا اندھیر چھا جاتا ہے۔ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا۔ کبھی آزادی کی ژالہ باری اس زور سے ہونے لگتی ہے۔ کہ نشستوں کے تناسب کی جوار اور ملازمتوں کی تقسیم کے باجرے کی لہلہاتی ہوئی فصلیں نہیں نہیں ہو جاتی ہیں۔ اور سرکار کو زرتقاوی تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کبھی

کبھی ملاپ کی خوشگوار بہار کی رُت بھی اپنا جلوہ دکھا جاتی ہے یعنی باغوں میں کھم گڑتے ہیں
ان میں اتحاد کے جھولے پڑتے اور محبت کے پینگ بڑھتے ہیں۔ پھر غور کر د تو یہ ساری
کیفیتیں ان بوجھے اور ان جانے سپنے معلوم ہوتی ہیں۔ نفاق کی گرم گرم ہوائیں بدن
کو جھلسے ڈالتی ہیں۔ اور پھوٹ کی بادِ سموم کا زہر مغزِ استخوان تک سرایت کر جاتا ہے۔
پنجاب کے چھوٹے چھوٹے موسم یوں تو ۳۶۵ ہیں۔ لیکن ابھی تک بڑے بڑے موسم جو معلوم
ہو سکے ہیں۔ ان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں۔

انتخابات کی بہار

جسے بکھیڑا موسم بھی کہتے ہیں۔ یہ فصل کنویسنگ کے خوشگوار مہینے سے پولنگ کی
شوراشوری تک پورے شباب پر رہتی ہے۔ اور کبھی کبھی عذرداری کی بےنمکی کے بعد
بھی جلوہ دکھا جاتی ہے۔ پنجاب کے اندر جو چہل پہل اور گہما گہمی اس زمانے میں دکھائی
دیتی ہے۔ پھر کبھی نظر نہیں آتی۔ موسم کی تاثیر اور آب و ہوا کے اثر سے ہر شخص کے جسم
میں بلا کی پھرتی اور توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔ بھولے بسرے رشتے اور تعلقات یاد آتے
ہیں۔ حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ اگلے پچھلے کارناموں کے ساتھ شکوے شکایتوں کے
دفتر کھلتے ہیں۔ امیروں کی تجوریوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ روپوں کا مینہ برسنے لگتا
ہے۔ ووٹ اور نوٹ کا ادل بدل عام ہوتا ہے۔ اونٹے اور اعلےٰ پلاؤں کی دیگوں اور
پوری کچوری کے تھلوں پر ٹوٹ کے گرتے ہیں۔ مولوی اور پنڈت اس موسم کے
خاص پرندے ہیں۔ جو خوب چہکتے اور نبی جی روزی بھیجو اور سب کے داتا مہری بھگوان
کے ساتھ ساتھ زندہ باد اور پاوررکھنا کے نعرے لگاتے ہیں۔ اور پھر بڑے زور کی

گھڑدوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ لوگ بازیاں بدتے اور شرطیں لگاتے ہیں۔ جو لوگ اس دوڑ میں شامل ہوتے ہیں۔ وہ امیدوار کہلاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ قسمت والے جو اسمبلی کی دیوارِ قہقہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی چاندی ہو جاتی ہے باقی امیدوار سے کے کھیت میں ٹاپتے رہ جاتے ہیں۔

(۲) لیڈری کی فصل۔

جسے پھوٹا موسم بھی کہتے ہیں۔ کبھی شہید گنج سے شروع ہو کر اسمبلی کی ممبری تک اور کبھی ستیہ گرہ سے آئینی جدوجہد تک برابر رہتا ہے۔ خلیج بیگ اور بحیرہ کانگرس سے جو مون سون ہوائیں اٹھتی ہیں۔ وہ اس زمانے میں خوب مینہ برساتی ہیں اور طرح طرح کے کیڑے مکوڑے کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ آموں کی فصل کی طرح یہ موسم بھی ہندوستان کے خاص موسموں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ اس زمانے میں لیڈری کے کاروبار کو خوب ترقی ہوتی ہے۔ چندہ کی فصل خوب ہوتی ہے۔ تھالی کے بینگن بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ ان دنوں ایک خاص جانور بھی کثرت سے دکھائی دیتا ہے۔ جسے عام طور پر ہری چگ کہتے ہیں۔ اس کے گلے کبھی ست پڑا اور بھار گو پربت کے دامن میں چرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی احراری کاہستان اور کبھی اتحادی سطح مرتفع میں گھس جاتے ہیں۔

(۳) سول نافرمانی کی گرمی۔

اس موسم میں بڑے زور شور سے آندھیاں چلتی ہیں۔ جو سرکاری باغوں اور کھیتوں کو ویران کر ڈالتی ہیں۔ سرکاری دفعات ۱۴۴۔ ۱۰۸ و ۱۲۴ الف کی کاغذی

ڈھالوں سے آندھی کو روکنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر مٹھی میں ہُوا کا تھامنا گیا"
یہ آندھی ان ڈھالوں کے روکے نہیں رکتی اور اکثر اوقات تو ایسی لو چلتی ہے۔ کہ لالہ
نافرمان ہو جاتا ہے۔ لوگ انقلاب زندہ باد کے نعرے لگا کے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔
اور گرمی سے بچنے کے لئے گھروں کو چھوڑ کر سرکاری مہمان خانوں کو آباد کرتے ہیں۔ یہ
موسم کبھی سال سال بھر رہتا ہے۔ اور کبھی کئی کئی سال نظر نہیں آتا۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے
کہ یہ موسم پنجاب کا خاص موسم نہیں۔ بلکہ مانگے تانگے کی چیز ہے۔ اصل میں یہ موسم
پنجاب کے جنوب اور مشرق کے علاقوں سے آتا ہے۔ اور پنجابیوں کی پُرسکون
زندگی میں تھوڑا سا ہیجان برپا کر کے غائب ہو جاتا ہے۔ پنجاب کی حکومت اس
موسم کی روک تھام کے لئے ایک اسکیم پر غور کر رہی ہے۔ جس کا نام سول نافرمانی
بیراج سکیم ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ کروڑوں روپوں کے خرچ سے ایک بند باندھا
جائیگا۔ جو سول نافرمانی کے موسم کو پنجاب میں داخل نہیں ہونے دے گا

(۴) حقوق کی برسات۔

سول نافرمانی کے موسم کی طرح حقوق کی برسات کا بھی کوئی ٹھیک وقت نہیں
کبھی ہوتی ہے۔ کبھی نہیں ہوتی۔ لیکن یہ موسم پنجاب کا خاص موسم ہے۔ یہ
اور بات ہے۔ کہ یہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کا بھی دورہ کرتا رہتا ہے۔
بڑے بڑے علماء کا خیال ہے۔ کہ اگر پنجاب نہ ہوتا۔ تو سرے سے حقوق کی برسات
ہی نہ ہوتی۔

اس موسم میں اکالی جنگات میں کوئی ۲۳-۲۴ انچ بارش ہوتی ہے۔ وادئ لیگ

ہیں ۵۶۔ انچ اور ہندو سبھا کی ترائی میں ۱۰۰۔ انچ کبھی کبھی احراری کاہستان میں بھی ایک آدھ چھینٹا پڑ جاتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ اتحادی سطح مرتفع والے مزے میں رہتے ہیں۔ وہ جب چاہتے ہیں۔ اپنے علاقے کو بارش سے محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور بارش ہو بھی جاتی ہے۔ تو ان کا دامن تک بھیگنے نہیں پاتا۔

حقوق کی برسات کو ریاضی سے گہرا تعلق ہے۔ یعنی اس زمانے میں کبھی تفریق کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ اور لوگ ایک دوسرے سے الگ ہونے لگتے ہیں۔ کبھی ضرب کا دور شروع ہوتا ہے۔ اور مار پیٹ۔ اٹھا پٹخ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ کچھ دیر کے بعد یہ نظر بھی بدلتا ہے۔ یعنی تقسیم کا زمانہ آتا ہے۔ اور گروہ بندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ البتہ ریاضی کے پہلے قاعدے یعنی جمع سے اس موسم کو سخت دشمنی ہے۔ ان دنوں دریاؤں میں بڑے زور سے طغیانی آتی ہے۔ جس کی وجہ سے فصلوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ خاص طور پر دریائے ظفر علی خان میں بہت سے برساتی نالے آملتے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس دریا کا پاٹ بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور آس پاس کے بہت سے دیہات میں پانی پھیل جاتا ہے۔

پھوٹ اس فصل کا خاص پھل ہے۔ جو کثرت سے دساور کو بھیجا جاتا ہے۔ اور بہت قیمت پاتا ہے۔

(۵) سرکار پرستی کی بت جھڑ

سول نافرمانی کی گرما گرمی اور حقوق کی برسات کے بعد سرکار پرستی کی خزاں شروع ہوتی ہے۔ سول نافرمانی کی حرارت نام کو نہیں رہتی۔ سرکار کی اطاعت اور

وفاداری کا جذبہ دلوں میں موج مارنے لگتا ہے۔ ہوا میں نہ گرمی رہتی ہے۔ نہ سردی موسم میں اعتدال آجاتا ہے برساتی ندی نالے خشک ہوجاتے ہیں۔ چڑھے ہوئے دریا اتر جاتے ہیں۔

پتوں کی رنگت زرد ہوجاتی ہے۔ تیز ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ اور تھوڑے دنوں میں درخت بالکل ٹنڈ منڈ نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ موسم ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن پنجاب میں اس کا جو مزا ہے کسی دوسرے علاقہ میں کہاں؟

(۴) آئین پسندی کا جاڑا۔

یہ موسم انتخابات کی بہار سے شروع ہوکر کئی سال تک اس طرح پنجاب پر اپنا قبضہ جمائے رکھتا ہے۔ کہ کوئی دوسرا موسم اس صوبہ میں داخل نہیں ہونے پاتا۔ اس زمانے میں بحیرۂ منجمد انگلیسی سے بڑے زور کی سرد ہوائیں چلتی ہیں۔ جو طبیعتوں میں بلا کی خنکی پیدا کردیتی ہے۔ البتہ کبھی کبھی خلیج اشتراکیت سے جو بحیرۂ کانگرس میں واقع ہے۔ گرم خلیجی رو بھی چلتی ہے۔ جس کی وجہ سے جاڑے کی شدت کم ہوجاتی ہے۔

سکندر مونٹ اور اس کے دامن کا علاقہ جو اتحادی سطح مرتفع کہلاتا ہے۔ یوں تو ہمیشہ سے بہت سرد واقع ہوا ہے۔ مگر اس زمانے میں اُسے برف بالکل ڈھانک لیتی ہے۔ دولتمند لوگ جو اسمبلی کے ممبر ہیں۔ اس زمانے میں جاڑے سے بچنے کے لئے اسمبلی میں چلے جاتے ہیں۔ اعدگر ما گرم فقروں، دھواں دھار اور

آتش بار تقریروں اور آپس کی نوک جھوک سے اپنے افسردہ دلوں میں تھوڑی سی حرارت پیدا کر لیتے ہیں۔ اور غریب لوگ خدا سے دُعائیں مانگتے ہیں۔ کہ رُت بدلے۔ سول نافرمانی کی گرمی شروع ہو آئین پسندی کی برف پگھلے۔ اور ہمارے دل چین پائیں۔

کچھ عرصہ سے سارے ہندوستان میں اسی موسم کا سکہ جاری ہے۔

سوالات

۱۔ پنجاب کی آب و ہوا گرمیوں میں کہاں چلی جاتی ہے؟ سچ سچ بتاؤ؟

۲۔ انتخابات کی بہار کو کھڑا موسم کیوں کہتے ہیں؟ اور یہ موسم پنجاب کے سوا اور کہاں کہاں ہوتا ہے؟

۳۔ پنجاب کے خاص خاص موسم کون سے ہیں؟

۴۔ پنجاب کا خاکہ اتارو۔ اور اس میں بارش کا تناسب دکھاؤ۔

تیسرا باب

پہاڑ۔ دریا۔ نہریں وغیرہ

پنجاب کی قدرتی تقسیم کے تذکرہ میں ہم مختصر طور پر پنجاب کے بڑے بڑے کوہستانی سلسلوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا کوہستانی سلسلہ جسے سدِ سکندری کہتے ہیں۔ اتحادی سطح مرتفع میں پھیلا ہوا ہے کہتے ہیں جہاں آج کل سدِ سکندری واقع ہے۔ وہاں زمانہ قبل از تاریخ میں ہر طرف بنجر میدان اور ریگستان پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں سینکڑوں میلوں تک سبزی و روئیدگی کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا پھر زمین کے اندرونی

طبقات میں کچھ ایسی تبدیلیاں رُونما ہوئیں۔ کہ پہاڑوں کے ایک عظیم الشان سلسلہ نے اس کی جگہ لے لی۔ ماہرین علم طبقات الارض کا خیال ہے۔ کہ کچھ عرصہ کے بعد یہ کوہستانی سلسلہ پھر غائب ہو جائیگا۔ اور جہاں آج یہ پہاڑ کھڑے ہیں۔ وہاں کفِ دست میدان کے سوا کچھ نظر نہیں آئیگا۔ لیکن بعض اتحادی محقق اس خیال کی تردید کرتے ہیں۔ وُہ کہتے ہیں۔ کہ سدِّ سکندری سنگ خارا کی چٹانوں کا مستحکم پہاڑ ہے۔ جسے زمین کے اندرونی تغیّرات لاکھوں برس تک اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتے۔ سدِّ سکندری کی سب سے اونچی چوٹی سکندر مونٹ ہے جو اس سلسلہ کوہ کے مغربی سرے پر واقع ہے۔ اس پر ہمیشہ سپید برف جمی رہتی ہے۔ جو دُور دُور سے نظر آتی ہے۔ اور بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ اس کے آس پاس اور بہت سی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں ہیں۔ جن کے برفانی عمامے دُور سے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ پنجاب کے کسان کھیتوں میں ہل چلاتے ہُوئے ان چوٹیوں کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان میں یہ خیال عام ہے۔ کہ اگر خدانخواستہ ان پہاڑوں پر برف نہ رہے۔ تو پنجاب کے دیہات خشک سالی کی وجہ سے ویران ہو جائیں۔

ہر مذہب و ملت کے لوگ سکندر مونٹ پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ چنانچہ ساہوکار کہتے ہیں۔ کہ کیلاش پربت کی طرح یہ پہاڑ بھی مقدّس ہے۔ کیونکہ یہاں مدّت تک شری سادر کرنے کٹیا ڈال رکھی تھی۔ اور شری گاندھی جی مہاراج بھی اسے اشیر واد دے چکے ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اب ملیچھوں نے اُسے بھرشٹ

کر دیا ہے۔

منوہر پربت۔

یہ چوٹی اتحادی سطح مرتفع کے حصہ میں ہندو سبھا کی ترائی کے پاس واقع ہے یہ بالکل چٹیل پہاڑ ہے۔ اور اس کے صرف بعض حصوں میں تھوڑی سی زیر درختی پائی جاتی ہے۔ اسے لاٹھی پربت بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس کے دامن میں اگلے وقتوں کے خزانے دفن ہیں۔ بنئے ساہوکار کہتے ہیں۔ کہ بوہنی کے وقت منوہر پربت کا نام لیا جائے۔ تو بنج بیوپار میں بڑا نفع ہوتا ہے۔

کوہ خضر۔

کسی وقت جب آسمان صاف ہو۔ سکندر مونٹ پر نظر ڈالو تمہیں اس سے کسی قدر پورب کی طرف ہٹ کے ایک اور چوٹی نظر آئیگی جس کے برفانی عمامہ کے ساتھ ساتھ سیاہی سی دکھائی دیتی ہے۔ اس برفانی چوٹی کو کوہ خضر کہتے ہیں اور اس کے پاس جو سیاہی نظر آتی ہے۔ وُہ اصل میں جنگلات ہیں۔ اگرچہ اونچائی میں یہ سکندر مونٹ سے چھوٹی ہے۔ مگر اس کا راستہ بہت دشوار گذار ہے۔ اور بڑے بڑے کوہ پیما اس کا بھید نہیں پا سکے۔

مچھیٹھ پہاڑ۔

سدِ سکندری کی یہ اونچی چوٹی اکالی جنگلات کے سر پر کھڑی سنتری کی طرح پہرہ دے رہی ہے۔ سندربن کا مشہور جنگل اس چوٹی پر واقع ہے۔ اس پر برف بھی پڑتی ہے۔ مگر زیادہ دیر نہیں رہتی۔ اس کی ڈھلوانوں پر کھیتی باڑی بھی خوب

ہوتی ہے۔

میاں کا ٹیلا۔

یہ چوٹی بہت نیچی ہے۔ اس لئے اس تک پہنچنا آسان ہے۔ چنانچہ کالجوں اور اسکولوں کے کھلنڈرے کئی مرتبہ اس تک پہنچ چکے ہیں۔ پھر بھی ہر انسان کا کام نہیں۔ کہ اس پر قدم رکھ سکے۔ کیونکہ جو لوگ یہاں تک پہنچتے ہیں۔ وہ لوٹتے وقت راستہ بھول جاتے ہیں۔ اس پر برف کا کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا۔ ہر طرف خشک گھاٹیاں اور خوفناک چٹانیں بڑے غرور سے سر اٹھائے کھڑی ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کو آگے بڑھنے کی ہمت نہیں پڑتی پھر بھی جن لوگوں کو معلومات بڑھانے اور اپنے علم میں اضافہ کرنے کا شوق ہے۔ وہ جوں توں کر کے یہاں جا ہی پہنچتے ہیں۔

کوہ چھوٹو رام۔

یہ پہاڑ اگرچہ سدِ سکندری سے بہت دور مشرق کی طرف ہٹ کے واقع ہے۔ اور بظاہر اتحادی سلسلہ کوہ سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتا ہے۔ تاہم جغرافیہ کے عالموں کا خیال ہے۔ کہ کوہ چھوٹو رام اصل میں سدِ سکندری کی ہی شاخ ہے۔ کیونکہ نباتی اور معدنی پیداوار کے لحاظ سے یہ اتحادی سلسلہ کوہ سے بہت ملتا جلتا ہے۔ کہتے ہیں۔ اس چوٹی پر کھڑے ہو کر ایک کے دو نظر آتے ہیں۔

اتحادی سلسلہ کوہ کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے بڑے پہاڑ ہیں۔ ذیل میں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

کوہ شہاب الدین۔

سدِّ سکندری کی مشرق کی جانب یہ عظیم الشان پہاڑ کھڑا ہے۔ اس میں گندھک کی کانیں کثرت سے ہیں۔ اس لئے اس کی رنگت سیاہی مائل ہے۔ اس کے بعض حصوں میں تھوڑی سی زیر درختی بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اکثر حصے بالکل لنڈ منڈ نظر آتے ہیں۔ پرانے زمانے کے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اس پہاڑ سے کبھی لاوے کا سیلاب بہہ نکلے گا۔ جو اتحادی سطح مرتفع کو جلا کر بھسم کر دیگا لیکن نئی تحقیق سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس کی اندرونی حرارت ختم ہو چکی ہے۔ اور اب اتحادی سطح مرتفع کو اس سے کوئی خطرہ نہیں۔

کوہِ محمڈوٹ۔

مشہور پہاڑ ہے۔ جو اتحادی سطح مرتفع سے وادیٔ لیگ تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اس پہاڑ میں سونے کی کانیں ہیں۔ چنانچہ جو برساتی نالے اس سے بہہ نکلے ہیں۔ ان کے ریت میں سونے کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ اس پہاڑ کی پیداوار سے اتحادی سطح مرتفع اور وادیٔ لیگ دونوں کے باشندے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مظفر کوہ۔

یہ بھی مشہور برفانی پہاڑ ہے جس کی چوٹیاں ہمیشہ برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ کسی زمانے میں سدِ سکندری سے ملا ہوا تھا۔ لیکن بعض کوہستانی ندیوں نے سدِّ سکندری کو آہستہ آہستہ کاٹ کر مظفر کوہ سے

الگ کر دیا۔ اگرچہ یہ پہاڑ اتحادی سطح مرتفع میں ہی واقع ہے۔ لیکن اس میں اور سدِ سکندری میں کئی دریا اور وادیاں حائل ہیں۔ اور یہ سدِ سکندری سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتا ہے۔

اشترا کی جوالامکھی۔

آتش فشاں پہاڑوں کا مشہور سلسلہ ہے۔ کبھی اس سے برابر کئی کئی مہینے تک آگ کے شعلے بلند ہوتے رہتے ہیں۔ اور کبھی مدت تک افسردگی سی چھائی رہتی ہے۔

کانگڑہ یسبی سلسلۂ کوہ۔

اس کی دو بڑی شاخیں ہیں۔ ست پڑا اور بھارگو پربت ان دونوں کا ذکر ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں۔

درّے

پنجاب کے پہاڑوں میں بکثرت درّے ہیں۔ جن کے ذریعے ایک علاقہ کے باشندوں کے تعلقات دوسرے علاقے کے لوگوں سے قائم ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعض بڑے بڑے درّوں کا حال مختصر طور پر بیان کر دیا جائے۔

درّۂ دولتانہ۔

سدِ سکندری کا مشہور درّہ ہے۔ جھیل دولتانہ جس کا تذکرہ پہلے آ چکا ہے اسی درّہ میں واقع ہے۔ بہت کشادہ درّہ ہے۔ اس لئے اسے اتحادی سطح مرتفع اور دوسرے علاقوں کے درمیان آمد و رفت اور رسل و رسائل کا بہت بڑا ذریعہ

سمجھا جاتا ہے۔ اس درہ سے ہر موسم میں بکثرت قافلے اخباروں کے انبار اور سینما کے فلم ــــ گذرتے نظر آتے ہیں۔ سدِ سکندری اور کوہ شہاب الدین کے درمیان بھی یہی درہ واسطہ بنا ہوا ہے۔ پرانے زمانے کے اکثر محققین کا خیال تھا۔ کہ درہ دولتانہ دراصل کوہ شہاب الدین میں واقع ہے۔ لیکن جدید تحقیق سے اس بات کی تردید ہو گئی ہے۔ مسلم لیگ کی وادی اسی درے کے قریب سے شروع ہوتی ہے۔

درہ میر۔

یہ بھی سدِ سکندری کا مقبول عام درہ ہے۔ بہت سا مال تجارت جو دساور کو جاتا ہے۔ اسی درہ کے راستہ سے گذرتا ہے۔ پنجاب کی ریاستوں سے جو کارواں جاتے ہیں۔ ان کا راستہ بھی یہی ہے۔

درہ جہان یا درہ شاہنواز۔

سدِ سکندری کا مشہور درہ ہے۔ جو میاں کے ٹیلے میں درہ میر کے عین بالمقابل واقع ہے۔

درہ غضنفر

ایک تنگ درہ ہے۔ جس کے دونوں طرف پُر ہیبت اور سنگلاخ چٹانیں پھیلتی چلی گئی ہیں۔ یہ درہ بہت پُر پیچ ہے۔ اور دور سے وادیٔ لیگ کے بہت قریب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قریب جاؤ۔ تو وادیٔ لیگ سے بہت دور سدِ سکندری کی چٹانوں میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔

اُجل ڈنڈی۔

یہ درّہ مجیٹھ پہاڑ میں واقع ہے۔ اکالی جنگلات اور سندربن کی بہت سی پیداوار اسی درّہ کے رستے باہر بھیجی جاتی ہے۔ یہ درّہ اونچے اونچے اور گنجان درختوں سے گھرا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے درّے ہیں۔ جن کا حال بڑی بڑی کتابوں میں لکھا ہے۔ بھار گوپربت اور ست پڑا میں بھی بہت سے چھوٹے بڑے درّے ہیں۔ جن میں زیادہ آمد و رفت تو نہیں ہوتی۔ البتہ وہ تجارتی مقاصد کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے ہیں۔

جھیلیں

جھیل دولتانہ۔

یہ میٹھے پانی کی بہت بڑی جھیل ہے۔ جو کوہ شہاب الدین اور سد سکندری کے درمیان واقع ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ اب آہستہ آہستہ اس کا پانی کھاری ہوتا جاتا ہے۔ بظاہر اس کی سطح بالکل ساکن نظر آتی ہے۔ اور اس کے نیلگوں پانی پر مرغابیاں اور دوسرے آبی پرندے تیرتے پھرتے ہیں۔ لیکن یہ جھیل بہت گہری ہے۔ اور جھیل ولر کی طرح اس میں کشتی رانی بہت خطرناک ہے چنانچہ ہر سال اس میں بہت سی کشتیاں اور ڈونگے غرق ہو جاتے ہیں۔

دریا

دریائے ظفر علی خان

پنجاب کا سب سے بڑا دریا ہے۔ جو ہمیشہ اپنا راستہ بدلتا رہتا ہے۔ کسی زمانے میں اس دریا کی ہولناک موجیں ایک طرف سدِ سکندری سے جا ٹکراتی تھیں! اور دوسری طرف قادیان کے ٹیلوں تک جا پہنچتی تھیں۔ اور جب اس میں طغیانی آتی تھی۔ تو اتحادی سطح مرتفع کے باشندے الامان والحفیظ پکارتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں جا چھپتے تھے۔ لیکن اب اتحادی انجینئروں نے اس کے دونوں کناروں پر مضبوط بند باندھ دیا ہے۔ اور اس پر دام کے سیمنٹ سے ایک عظیم الشان پل تعمیر کیا ہے۔ جسے عہدِ جدید کی انجینئری کا عظیم الشان کارنامہ سمجھنا چاہئے۔ پہلے اس سے آبپاشی بالکل نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن اب اس سے اتحادی سطح مرتفع کی اراضی کو سیراب کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اس میں اکثر مقامات پر خطرناک چٹانیں ہیں کئی جگہ آبشار بھی ہیں۔ اس لئے اس میں زیادہ دور تک جہاز رانی نہیں ہو سکتی۔ کسی کو یقین نہیں۔ کہ دریائے ظفر علی خان ہمیشہ اسی حالت میں رہیگا۔

کیا عجب اس میں پھر کبھی بڑے زور کی طغیانی آئے۔ اور اس کی موجیں بند اور پل کو بہا کرلے جائیں۔ ابھی چند سال ہوئے۔ اس دریا میں بڑا زبردست سیلاب آیا تھا۔ جس نے احراری کاہستان کو زیرآب کر دیا تھا۔ دریائے ظفر علی خان پہلے سدِ سکندری سے ٹکراتا۔ وادی لیگ سے پہلو بچاتا۔ بحیرہ کانگریس میں ڈیلٹا بنا کے گرتا تھا۔ اب اتحادی سطح مرتفع اور وادئ لیگ کو سیراب کرتا ہوا خلیج لیگ میں جا گرتا ہے۔

دریائے ظفر علیخان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا اور ندی نالے آ ملتے ہیں۔ جن میں دریائے اختر علی خان بہت مشہور ہے۔ یہ دریا اصل میں دریائے ظفر علیخاں کی ہی ایک شاخ ہے۔ جو کرم آباد سے کچھ دور آگے بڑھ کر دریائے ظفر علی خان سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور میدانی علاقے میں بڑے زور سے بہتا ہوا سکندر مونٹ کے مقام پر پھر دریائے ظفر علی خان سے آملتا ہے۔ یہ دریا اپنے ساتھ بہت سی مٹی بہا لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سکندر مونٹ سے آگے بڑھ کر دریائے ظفر علی خان کا پانی بہت گدلا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ندی نالے مٹی بہا کے لاتے ہیں۔ اور دریائے ظفر علی خان میں شامل ہو جاتے ہیں۔ محققین کا خیال ہے۔ کہ اگر یہ عمل اسی طرح جاری رہا۔ تو دریائے ظفر علی خان ایک دن ایک وسیع دلدل بن کے رہ جائے گا۔ ان دونوں دریاؤں کے درمیان جو علاقہ ہے۔ اُسے دوآبہ زمیندار کہتے ہیں۔

دریائے سالک و دریائے مہر۔

یہ دونوں دریا پہلے دریائے ظفر علی خان کے معاون تھے۔ لیکن ۱۹۲۷ء میں ایک

لے بچہ اگر بچہ نہ ہوتا تو بیابان ہوتا۔

زلزلہ آیا تھا۔ جس نے ان کی گذرگاہ تبدیل کر دی۔ دریائے سالک کا پاٹ زیادہ ہے۔
اور دریائے مہر اگرچہ عرض میں اس سے کم ہے۔ لیکن زیادہ گہرا ہے۔ اس کے علاوہ لمبائی
میں بھی اس سے زیادہ ہے۔ ان دونوں دریاؤں میں نہ کہیں چٹانیں ہیں۔ نہ آبشار۔
دونوں خاموشی سے اپنے مقررہ راستہ پر بہتے چلے جاتے ہیں۔ اور ذرہ بھر ادھر
اُدھر نہیں ہوتے۔ دریائے سالک[1] میں سارا سارا سال کشتیاں چلتی رہتی ہیں۔ اور
لوگ غوطے لگاتے اور موتی نکال لاتے ہیں۔ لیکن اکثر غوطہ خوروں اور شناوروں
کو دریائے مہر کی طرف رُخ کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی۔ یہ دونوں دریا بہتے
ہوئے سکندر مونٹ کے قریب آپس میں مل جاتے ہیں۔ اور دریائے انقلاب
کہلاتے ہیں۔ ان کے درمیان جو سرسبز اور زرخیز علاقہ ہے۔ اُسے دوآبہ مہر ساگر
یا دوآبہ مہر سالک کہتے ہیں۔ اکثر لوگ اس دوآبہ کو دوآبہ انقلاب بھی کہتے ہیں۔ یہ
دونوں دریا اتحادی سطح مرتفع کے شمالی حصّہ سے نکلتے ہیں۔ اور خلیج لیگ کے قریب
جا گرتے ہیں۔

دریائے نورا۔

چشمۂ لوب نور سے جو کشمیری بازار سے شمال کی جانب واقع ہے نکلتا
ہے۔ میاں کے ٹیلے کے پاس سے گذرتا ہوا مٹی کے ساتھ ساتھ بہتی روٹی۔ نور نامہ گلنار۔
قصّہ شاہ بہرام اور بہت سی چھوٹی بڑی درسی کتابیں بہا لاتا ہے۔ کہتے ہیں سکندریہ کا
کتب خانہ اسی دریا میں غرق ہوا تھا۔ یہ دریا کچھ ایسا گہرا تو نہیں۔ لیکن کتابوں کی گھلاوٹ

[1] اگلے صفحہ پر دیکھو۔

سیاہی کے باعث اس کا پانی بہت تاریک نظر آتا ہے۔ اور اکثر لوگ غلطی سے اسے بہت گہرا سمجھ لیتے ہیں۔ پہلے اس میں جہاز چلا کرتے تھے۔ لیکن اب صرف اسکولوں کے طالب علم اور مدرّس کبھی کبھی کتابوں کی تلاش میں اس کے تاریک سینہ پر کشتیاں اور ڈونگے دوڑاتے نظر آجاتے ہیں۔ اس دریا میں مچھلیاں نہیں ہوتیں۔ صرف کتابیں ملتی ہیں۔ اس لئے بیچارے مدرّس اسے اللہ کا بہت بڑا انعام اور احسان سمجھتے ہیں۔ اور اس کے طاس کو احسان کہتے ہیں۔ بہت چھوٹا دریا ہے۔ جتنا لمبا ہے اتنا ہی چوڑا بھی ہے۔ پہلے خلیج لیگ میں گرتا تھا۔ اب اس خلیج کے کچھ دُور شمال کی جانب صحرائے کلاہاری کے ریت میں غایب ہو جاتا ہے۔ علمائے جغرافیہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر سکے کہ اسے دریا کہنا چاہئے یا جھیل۔

دریائے گرشنا۔

ہندو سبھا کی ترائی سے عین شمال کی طرف آریہ سماج کی گھاٹیاں ہیں۔ جن سے دریائے گرشنا نکلتا ہے۔ یہ دریا کچھ دور تک بہار گو پربت اور ست پڑا کے درمیان میں سے ہو کر پتھروں سے سر ٹکراتا شور مچاتا گذرتا ہے۔ یہاں اس کا پاٹ بہت کم اور گہرائی بہت ہے۔ فردوسی نے محمود غزنوی کے متعلق کہا تھا ؎

خجستہ درگہِ محمود زابلی دریاست
چگونہ دریا کا نرا کرانہ پیدا نیست
چہ غوطہ ہا زدم و اندروں ندیدم دُر
گناہِ قسمت ما بُد گناہِ دریا نیست

زیادہ ہے۔ اس کوہستانی علاقے سے نکل کر جب یہ میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ تو اس کا پاٹ زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ پنجاب کا بہت بڑا دریا ہے۔ اور ان پانچ دریاؤں میں سے ہے۔ جن کی وجہ سے اس صوبے کو پنجاب کہا جاتا ہے۔ یہ ہندوسبھا کی ترائی کے ساتھ ساتھ کانگریس کے کوہستانی علاقوں کو بھی سیراب کرتا ہے۔ لیکن اس کے بالائی حصہ میں چٹانیں کثرت سے ہیں۔ اس لئے یہاں جہاز رانی نہیں ہو سکتی۔ البتہ اس کا زیریں حصہ جہاز رانی کے لئے بہت موزوں ہے۔ دریائے کرشنا کا طاس بہت زرخیز ہے اس کے بالائی حصہ کو پرکاش اور زیریں حصہ کو پرتاپ کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک یہ دریا بہت مقدس ہے۔ چنانچہ دور دور سے لوگ اس میں اشنان کرنے آتے ہیں۔ اور اس کا پانی بوتلوں میں بند کر کے لے جاتے ہیں۔ اس میں بہت چھوٹے چھوٹے دریا اور ندیاں آملتی ہیں۔

دیر ندر ندی اس دریا کی ایک مشہور شاخ کا نام ہے۔ یہ ندی بہت سبک خرام ہے۔ اور سرخ و سپید سنگریزوں پر اونچے سروں پر بہتی گیت گاتی چلی جاتی ہے۔ اس کا پانی بہت شیریں اور مصفا ہے۔ اور اس کے کنارے کافی دور تک سبزہ زار پھیلتا چلا گیا ہے۔ پہلے اکثر شوقین لوگ صبح و شام دیر ندر ندی کے کنارے بیٹھ کر اس سبزہ زار اور آب رواں کا لطف اٹھاتے چھینٹے اڑاتے اور ڈبکیاں لگاتے۔ لیکن اب اس کے کنارے خاردار جنگلے لگوا دیئے گئے ہیں۔ اور خاص خاص لوگوں کے سوا کسی کو اس کے قریب جانے کی اجازت نہیں۔ دریائے کرشنا جنوب کی طرف بہ کر خلیج مہاسبھا میں گرتا ہے۔

دریائے خورسند۔

یہ دریا آریہ سماج کی گھاٹیوں سے نکل کر کچھ دور دریائے کوشتا کے متوازی بہتا ہے۔ کانگریسی سلسلہ کوہ کے قریب پہنچکر یہ بھارگو پربت اور ست پڑا دونوں سے پہلو بچاتا ہوا دریائے پرمانند کے متوازی بہنے لگتا ہے۔ ہندو سبھا کی ترائی کو زرخیز بنانے میں اس دریا کا بڑا حصہ ہے۔ سول نافرمانی کے موسم میں جب اونچے پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے۔ اور کوہستانی ندی نالے بہ نکلتے ہیں۔ تو اس دریا میں طغیانی آجاتی ہے۔ اور اس کی موجیں کانگریسی کوہستان کی بلندیوں تک جا پہنچتی ہیں۔ اس کا پاٹ اچھا خاصا ہے۔ لیکن زیادہ گہرا نہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک اس دریا کو بھی تقدس حاصل ہے۔ اس دریا کے طاس کے بھی دو حصے ہیں۔ بالائی حصے کو آریہ گزٹ اور زیریں حصہ کو ملاپ کہتے ہیں۔ اس میں ہمیشہ جہازرانی ہوتی رہتی ہے۔ یہ دریا جنوب کی طرف بہتا ہوا خلیج مہاسبھا میں جا گرتا ہے۔

دریائے پرمانند۔

آریہ سماج کی گھاٹیوں سے نکل کر اکالی جنگات کے پاس سے بہتا ہوا مغرب کی طرف ہو نکلتا ہے۔ اور دریائے خورسند کے متوازی بہنے لگتا ہے۔ ہندو سبھا کی ترائی میں یہ دریا کچھ اس زور سے بہتا ہے۔ کہ آس پاس کی زمین کو زیر آب کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس عمل کی وجہ سے اس علاقے میں جا بجا وسیع دلدلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جہاں مچھر بڑی کثرت سے پرورش پاتے اور ہندو فیور پھیلاتے ہیں۔ یہ بہت ہی خطرناک قسم کا بخار ہے جس نے پنجاب میں تباہی پھیلا رکھی ہے۔

دریائے پر مانند کے دونوں کناروں پر بہت دور تک چٹیل پہاڑیوں اور خشمناک
بیابانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ ان پہاڑیوں پر جو تھوڑی بہت زراعت ہوتی ہے
حقوق کی برسات میں مینہ کا پانی اسے بہلے جاتا ہے۔ اس عمل کو آب بریدی یا
پن کٹ (Erosion) کہتے ہیں۔ پنجاب کی زرخیزی کو پن کٹ نے بہت نقصان
پہنچایا ہے۔ نارنگ سر اور نیمدرناگ جو مشہور گرم چشمے ہیں اسی دریا کے کنارے
واقع ہیں

کہتے ہیں۔ زمانۂ قبل تاریخ میں دریائے پرمانند کانگریسی سلسلہ کوہ میں سے
بہتا ہوا کالے پانی میں جا گرتا تھا۔ پھر کچھ ایسے انقلابات ہوئے۔ کہ یہ ہندو بھائی ترائی
میں سے بہتا ہوا خلیج سرکار کے گورے پانی میں جا گرنے لگا۔ اس دریا کے طاس کو
ہندو کہتے ہیں۔

دریائے حبیب۔

اس دریا کا منبع ابھی تک معلوم نہیں ہو سکا۔ جغرافیہ والوں کا خیال ہے۔ کہ
سدِ سکندری اور کانگریسی سلسلہ کوہ کے بعض نامعلوم حصوں کی تحقیق کرنے کے
لئے جو مہمیں بھیجی جا رہی ہیں۔ انہیں اگر اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ تو دریائے حبیب کا
منبع بھی معلوم ہو جائیگا۔ کسی زمانے میں یہ دریا مسلم لیگ کی وادی کو سیراب کرتا تھا
لیکن اب اس نے راستہ بدل لیا ہے۔ اور احراری کاہستان اور کانگریسی سلسلہ
کوہ کے درمیان بہتا ہے۔ بڑا تیز دریا ہے۔ خصوصاً جب یہ سکندر موٹ کی

مہیب چٹانوں سے ٹکراتا اور آبشار بناتا ہُوا بہتا ہے۔ تو بہت خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں اس میں جگہ جگہ گرداب پڑتے ہیں۔ اس کی موجیں کف آلود نظر آتی ہیں میدانی علاقے میں بھی پہنچکر اس کی تیزی میں فرق نہیں آتا۔ اور یہ اپنے زد میں کنارے کے علاقے سے بہت سی مٹی بہا لاتا ہے۔ اس کے دہانے کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے۔ کہ بحیرہ کانگرس میں یا اس کے قریب کے کسی سمندر میں گرتا ہے لیکن ابھی تک یہ بات تحقیق طلب ہے۔

دریائے دیرا۔

روایت ہے۔ کہ یہ دریا شری سوامی گنیش دت جی مہاراج کی جٹا سے نکلتا ہے اور بھارت ورش کے سناتن دھرمی نرناری کو لابھ پہنچاتا ہے۔ اس لئے پرانے خیال کے ہندو اس دریا کو بہت مقدس سمجھتے ہیں۔ کبھی زمانے میں ست پڑا کے ساتھ ساتھ بہتا تھا۔ اب بھارگو پربت کے پاس سے گزرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی ریت میں سونے چاندی کے ذرات ملتے ہیں۔ ہندوؤں کے دوسرے مقدس دریاؤں کی طرح یہ بھی غیر زراعت پیشہ دریا ہے۔ یعنی اس کے کنارے زراعت کے بجائے صرف بیج بیوپار ہوتا ہے۔

۱؎ سلیمان ساؤجی نے دجلہ کی روانی دیکھ کر کہا تھا ؎

دجلہ را امسال رفتارے عجب مستانہ ایست
پائے در زنجیر کف برلب مگر دیوانہ ایست

یہ شعر دریائے جیب پر بھی صادق آتا ہے۔

دریائے مرتضیٰ۔

پہلے ترکی میں بہتا تھا۔ پھر افغانستان میں بہنے لگا۔ اب مستقل طور پر ہندوستان آگیا ہے۔ اس دریا اور اس کے معاون دریاؤں نے کسی زمانے میں وہ زرخیز علاقہ بنایا تھا جسے احسان کہتے ہیں۔ اب اس دریا کا طاس شاہباز کہلاتا ہے۔ چڑیا راس دریا کو مقدس سمجھتے ہیں۔ دریائے مرتضیٰ خلیج لیگ میں گرتا ہے۔

کانگریسی ندی نالے۔

بہار گو پربت اور ست پڑا سے بھی برسات کے موسم میں اکثر ندی نالے نکلتے رہتے ہیں۔ اس قسم کی ندیوں میں نیشنل کانگریس ندی بہت مشہور ہے جو ست پڑا سے ایک زمانے میں بہ نکلی تھی۔ یہ گدلے پانی کی ایک لمبی ندی تھی۔ جس میں بہت سی نالیوں اور موریوں کا پانی بھی آملتا تھا۔ بہرحال یہ صرف برساتی ندی تھی۔ اور اب خشک پڑی ہے۔

پارسس ندی بھی ست پڑا سے نکلتی ہے۔ اگرچہ یہ چھوٹی سی ندی ہے لیکن اسکا پانی بہت میٹھا اور صاف و شفاف ہوتا ہے۔

دریائے سوَل۔

جسے دریائے ابیض اور عام لوگوں کی بولی میں گورا دریا بھی کہتے ہیں۔ شمال کے ایک نامعلوم خطہ سے نکلتا ہے۔ اور جنوب کی طرف تیزی سے بہتا ہوا خلیج سرکار

لے دریائے مرتضیٰ ترکی کا مشہور دریا ہے۔ اس کے کنارے ترکوں نے یونانیوں کو زبردست شکست دی تھی +

میں جا گرتا ہے۔ اس کی سطح بظاہر ہموار معلوم ہوتی ہے۔ پانی صاف و شفاف ہے یہی
وجہ ہے۔ کہ اسے گورا دریا کہتے ہیں۔ لیکن اس کے اندر بہت سی خوفناک چٹانیں
ہیں۔ پہلے تو اس کا پانی بہت سپید معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اب اس کی رنگت کسی
قدر تیرگی مائل ہوتی جاتی ہے۔ سرکار نے اس کے بالائی حصّہ سے ایک نہر نکالی ہے
جسے جوئے نوڑیا "نہر اپر سول" کہتے ہیں۔ اس نہر کے پانی کی کثیر مقدار کو ذخائر آب میں
محفوظ کر لیا گیا ہے۔ نور دیریا نور ہیڈ بھی اصل میں اسی نہر کی فیاضی کا کرشمہ ہے جس
کے پانی سے پنجاب کا بہت علاقہ سیراب ہوتا ہے۔ جو دریا خشک ہونے لگتے ہیں
انہیں بھی اسی ذخیرہ آب سے پانی مہیا کیا جاتا ہے۔ یہ نہر اصل میں پانی کے لئے
صرف سول کی ہی مرہونِ منت نہیں۔ بلکہ جھیل دوتانہ سے جو سرکاری ندی نالے
بہ نکلتے ہیں۔ ان کا پانی بھی اسی میں آ ملتا ہے۔ اور سرکاری مقاصد کے لئے استعمال
ہوتا ہے۔

دریائے سول پردیسی دھن میں پردیسی گیت گاتا ہوا بہتا ہے۔ اور دور
سے بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اس دریا کی بہار دیکھنا ہو۔ تو سکندر مونٹ پر
کھڑے ہو کر دیکھئے۔

دریائے کالی

ہندو مہا سبھا کی پہاڑیوں سے کچھ آگے ایک بہت بڑا چشمہ ہے۔ جسے "کالی ناگ"
کہتے ہیں۔ یہ دریا اسی چشمے سے نکلتا اور ہندو سبھا کی ترائی اور کانگریسی سلسلہ کوہستان
سے مٹی اور سنگریزے بہا لاتا ہے۔ یہ دریا نہ بہت تیز رفتار ہے۔ نہ زیادہ آہستہ خرام

نہ اتنا وسیع ہے۔ کہ اور چھور معلوم نہ ہو۔ نہ اس کا پاٹ اتنا چھوٹا کہ تھوڑے سے خرچ سے پل بن سکے۔ نہ اتنا زیادہ گہرا ہے۔ کہ تہ کا کچھ حال معلوم نہ ہو۔ نہ اتنا کم گہرا کہ جہاز بھی نہ چل سکیں۔ طغیانی کے زمانے میں آس پاس کے علاقہ کو اس طرح زیر آب نہیں کرتا۔ کہ بند باندھنے کی ضرورت محسوس ہو۔ اور جاڑے میں سمٹ کر اتنا چھوٹا بھی نہیں رہ جاتا۔ کہ پایاب نظر آئے۔ غرض یہ دریا اپنی میانہ روی اور اعتدال کے لئے مشہور ہے۔ کانگریسی سلسلہ کوہ اور ہندوسبھا کی ترائی دونوں کے باشندے اس پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ مگر ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ یہ دریا کس علاقہ کے زیادہ رقبہ کو سیراب کرتا ہے۔ اس کا گیت دیسی ہے۔ مگر گیت کی دھن بدیسی اس کا طاس جسے "ٹریبیون" کہتے ہیں۔ بہت زرخیز ہے۔

دریاؤں کے سلسلہ میں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ پنجاب کے دریاؤں سے کام لینے کے لئے ان میں جگہ جگہ بند باندھے گئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ بند دریائے ظفر علیخان میں باندھے گئے ہیں۔ کیونکہ طغیانی کے زمانہ میں یہ دریا بہت خطرناک ثابت ہوتا تھا۔ لیکن جب سے اس دریا کے بندوں میں سیمنٹ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ خطرہ نہیں رہا۔

سوالات

۱۔ بتاؤ کوہ شہاب الدین کی اندرونی حرارت کیوں ختم ہو چکی ہے ؟

۲۔ سکندر ماؤنٹ اور مظفر کوہ کا مقابلہ کرو۔

۳۔ بتاؤ کوہ چھوٹو رام پر کھڑے ہو کر ایک کے دو کیوں نظر آتے ہیں ؟

۴۔ حاتم طائی کے قصے میں اگر تم نے کوہ ندا کا حال پڑھا ہے۔ تو بتاؤ۔ کہ کیا میاں کے ٹیلے کو کوہ ندا کہنا صحیح ہے ؟

۵۔ بتاؤ دریائے ظفر علیخان آج کل کہاں سے نکلتا ہے۔ اور کہاں گرتا ہے ؟

۶۔ بتاؤ وہ کون کون سے آلات ہیں۔ جن سے دریائے عمر کی گہرائی ناپی جا سکتی ہے۔ کیا تم بانس سے اس دریا کی گہرائی معلوم کر سکتے ہو ؟

۷۔ دریائے نورا کون کون سی کتابیں بہا لاتا ہے۔

۸۔ کیا تم نے کبھی ویر مذر ندی دیکھی ہے ؟ اگر دیکھی ہے۔ تو اس کے متعلق اپنے تجربات بیان کرو ؟

۹۔ بھنبہ نیور کہاں کہاں ہوتا ہے ؟ اور گورا پانی کسے کہتے ہیں ؟

چوتھا باب
پیداوار

اس کتاب کے پہلے باب میں پنجاب کی قدرتی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے ہم مجمل طور پر پیداوار کے بڑے بڑے خطوں کا حال بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم ان خطوں کی پیداوار کا ذکر تفصیل سے کرتے ہیں

اتحادی سطح مرتفع۔

ہر قسم کی پیداوار کے اعتبار سے بہت مشہور ہے۔ کوہِ چھوٹو رام کی گھمنڈیوں کے ساتھ ساتھ تعلّی اور خود ستائی کی پیداوار روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

میاں کے ٹیلے کے آس پاس غرور و نخوت کے ساتھ ساتھ جہالت کی پیداوار ترقی پر ہے۔ اور دوآبہ مہر و سالک میں مسلمانوں کے حقوق اور افکار و حوادث کے سوا اور کچھ نہیں پیدا ہوتا۔

زرعی بل جنہیں بعض لوگ کالے اور بعض سنہری قوانین کہتے ہیں۔ پنجاب کی خاص پیداوار ہیں۔ فوجی قانون اتحادی سطح مرتفع چھوڑ پورے پنجاب میں کہیں نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اتحادی سطح مرتفع میں اس کی جتنی کھیت ہے۔ ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ میں نہیں۔ اس لئے دساور سے بہت بڑی مقدار میں آتا۔ اور یہاں خوب فروخت ہوتا ہے۔ اکثر حصوں میں تو لوگوں کی زندگی کا مدار اسی قانون پر ہے۔ اس قانون کے استعمال سے اس علاقہ میں سپاہی۔ حوالدار۔ جمعدار۔ صوبیدار۔ لفٹنٹ۔ کپتان اور میجر پیدا ہوتے ہیں۔ جو پنجاب میں تو بیکار ہیں۔ لیکن بصرہ۔ بغداد۔ یافا۔ القدس۔ لندن۔ پیرس اور ہانگ کانگ تک جاتے ہیں۔ اور خاصی قیمت پاتے ہیں۔ یہ تجارت پنجاب کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

اتحادی سطح مرتفع میں کھاد کے گڑھے۔ روشندان۔ مچھر دانیاں زمیندار بنک اور مصالحتی بورڈ بھی خوب پیدا ہوتے ہیں۔ اور زیادہ تر اسی علاقہ کے لوگوں کے کام آتے ہیں۔

کسی زمانہ میں یہاں سرکاری ملازمین کی پیداوار بہت کم تھی۔ لیکن جب سے ووٹ کی مانگ زیادہ ہوئی ہے۔ اس علاقہ میں سرکاری عہدیداروں

کی پیداوار بڑھتی جاتی ہے۔ اور اب تو خدا کے فضل سے یہاں اعلےٰ درجہ کے وزیر اور نہایت نفیس قسم کے پارلیمنٹری سیکرٹری بھی پیدا ہوتے ہیں۔ اور بڑی بڑی قیمتیں پاتے ہیں۔

کانگریسی کوہستان

اس کوہستان میں اتحادی سطح مرتفع کی طرح ہر قسم کی پیداوار تو نہیں ہوتی پھر بھی اس علاقہ میں بعض چیزیں ایسی ملتی ہیں جو اتحادی سطح مرتفع میں پیدا ہی نہیں ہوتیں۔ اس علاقہ کی سب سے بڑی پیداوار "لیڈر" ہے۔ جو بعض اوقات دساور کو بھیجا جاتا ہے۔ لیکن پنجاب کا لیڈر نہ زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ نہ زیادہ بیٹھار۔ اس لئے گجرات۔ مہاراشٹر۔ یو۔پی اور بنگال کے لیڈر سے کم قیمت پاتا ہے۔ البتہ پنجاب کی بعض منڈیوں مثلاً۔ ادکاڑہ۔ فیروز پور۔ موگہ۔ امرتسر وغیرہ میں اس کے اچھے خاصے دام مل جاتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے۔ کہ اس میں بعض وٹامن سرے سے مفقود ہیں۔ اس لئے جو لوگ صرف پنجاب کا لیڈر استعمال کرتے ہیں۔ انہیں اکثر بیری بیری کا عارضہ ہو جاتا ہے۔ اب پنجاب میں بھی اعلےٰ درجہ کا مقوی لیڈر پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اور اتحادی سطح مرتفع کے ایک وسیع رقبہ میں لیڈر کی کاشت اور نگہداشت اور اس کے لئے مناسب کھاد بہم پہنچانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اس وقت تک لیڈر کی کاشت میں معدنی کھاد استعمال کی جاتی رہی ہے۔ مگر اب ایسی کھاد مہیا کرنے کا انتظام ہو رہا ہے۔ جس میں صرف سونے کے اجزا ہوں۔

کانگریسی کوہستان کی ڈھلوانوں پر چرخہ اور کھدر کی کھیتی بھی ہوتی ہے۔
لیکن اس قدر کم کہ یہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لئے کافی نہیں ہوتی
البتہ بلمہ پٹیر خوب پیدا ہوتے ہیں۔ اور خاص خاص موسموں میں بڑی قیمت پاتے
ہیں۔ ست پڑا کے اکثر حصے بالکل چٹیل ہیں۔ لیکن بھار گو پربت میں بہت سی
سونے چاندی کی کانیں بھی ہیں۔

احراری کاہستان۔

احراری کاہستان میں بھیڑ بکریوں کی کثرت ہے۔ جن کے دودھ اور مکھن
سے اس علاقہ کے خانہ بدوش قبائل پرورش پاتے ہیں۔ لیڈر یہاں بھی کثرت
سے پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ احراری کاہستان کا لیڈر کانگریسی کوہستان کے لیڈر
سے مٹھاس میں بہت کم ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ اس کے ذائقہ میں
کسی قدر کھٹاپن پایا جاتا ہے۔ تاہم کاہستانی لیڈر اور کوہستانی لیڈر سے زیادہ
طاقتور ہوتا ہے۔ اس لئے دساور کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ چنانچہ یو۔پی میں اس کی
کھپت بہت زیادہ ہے۔ لیکن احراری کاہستان کا لیڈر یو۔پی میں مدح صحابہ
کے کام آتا ہے۔

اس کاہستان میں کھیتی باڑی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ اکثر اوقات
یہ خانہ بدوش قبائل کھیتی باڑی شروع کرتے ہیں۔ اور وقت پر بارش
نہ ہونے کے باعث ساری محنت اکارت جاتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی
ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ کھیتوں کو چھوڑ کر بھیڑ بکریوں سمیت چل کھڑے ہوتے

ہیں۔ اور کسی سر سبز مقام میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ اس لئے یہاں لیڈر
کی کاشت کا بھی کوئی معقول انتظام نہیں۔ چنانچہ بعض حصوں میں تو لیڈر
خودرو بھی ہوتا ہے۔

احراری کاہستان میں خودرو بلّم ٹیر کثرت سے ہوتا ہے۔ یہ بلّم ٹیر سرخ رنگ
کا اور بہت بڑا ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ذائقے میں بھی کسی قدر کسیلا پن ہے۔
سیالکوٹ کاہستانی بلّم ٹیر کی ایک بڑی منڈی ہے۔ اس علاقے میں "انقلاب
زندہ باد" اور "ٹوڈی بچہ ہائے ہائے" بھی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن بہت کم۔ اصل
میں یہ علاقہ کھیتی باڑی کے قابل نہیں۔ اتحادی سطح مرتفع کی طرح یہاں نہ
دریاؤں کی کثرت ہے۔ نہ ان سے نہریں نکالی گئی ہیں۔ یعنی آبپاشی کا کوئی
انتظام نہیں صرف بارش پر کھیتی باڑی کا مدار ہے۔ سو یہاں بارش بھی کم
ہوتی ہے۔

اشتراکی جوالا مکھی کا علاقہ۔

یہ علاقہ جو اپنے آتش فشاں پہاڑوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ بہت
کم زرخیز ہے۔ یہاں دساور سے بہت سا مال آتا ہے۔ لیکن دساور میں یہاں
کے مال کی بہت کم کھپت ہے۔ یہاں پہلے باہر سے "آئیڈیالوجی" آیا کرتی تھی
لیکن اب "آئیڈیالوجی" کی فصل یہاں بھی اچھی خاصی ہو جاتی ہے۔ "پرالیتیت"
بھی بہت ہوتا ہے۔ لیکن ابھی تک زیادہ قیمت نہیں پاتا۔ "بورژوا" قسم کے
لیڈر کو جو بہت میٹھا ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ بہت ناپسند کرتے ہیں۔

لیکن خود اس علاقہ میں جو لیڈر پیدا ہوتا ہے۔ وہ بورژوا" قسم کا ہوتا ہے۔ البتہ کانگرسی سلسلۂ کوہ کے "بورژوا" لیڈر سے چھوٹا اور کسی قدر ترشی لئے ہوئے۔ کانگریسی سلسلۂ کوہ کے لوگ اسے خوب استعمال کرتے ہیں۔ یعنی کچّا بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور چٹنی اور مربہ وغیرہ کے کام بھی آتا ہے، اور اب تو اس کا فرنٹ بلاک" بھی بن گیا ہے۔ جو ہر جگہ مقبول ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اشتراکی جو الا مکھی کے علاقے میں اکثر لوگ اسے "فراڈ" سمجھتے ہیں۔

اس علاقے میں "اکنامک بیک گراونڈ" باہر سے بھی آتی ہے۔ اور خود یہاں بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہاں پہلے "مشاعرہ" سرے سے ہوا ہی نہیں کرتا تھا۔ اور اس کا کام "آئڈیالوجی" سے لیا جاتا تھا۔ شاعر بھی خال خال نظر آتا تھا۔ لیکن جب سے اکالی جنگلات میں "کوی" قسم کا "شاعر" اور کوی دربار قسم کا مشاعرہ پیدا ہونے لگا ہے۔ اس علاقہ میں بھی "انقلابی شاعر" اور "انقلابی مشاعرہ" پیدا کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور اس معاملہ میں یہاں کے لوگوں کو خاصی کامیابی ہوئی ہے۔ لیکن ابھی یہاں شاعر اتنی مقدار میں پیدا نہیں ہوتا۔ کہ باہر بھیجا جا سکے۔

اصل میں شاعر اور شاعری پنجاب کے باشندوں کی عام غذا ہے۔ اور صوبہ بھر میں اس کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ کہ بہت بڑی مقدار میں باہر بھی بھیجی جاتی ہے۔ اور صوبہ کا بھلا اسی میں ہے۔ کہ شاعری کی فصل کو بڑھانے

کی کوشش کی جائے۔ ماہرین زراعت کا خیال ہے۔ کہ اگر اشتراکی جوالامکھی کے علاقہ میں شاعر اور شاعری کی پیداوار کو ترقی دی جائے۔ تو "الکنانک بیک گراونڈ" اور "آئیڈیالوجی" کی خاردار جھاڑیاں جو شکل و صورت میں اونٹ کٹارا سے ملتی جلتی ہیں۔ اور آتش فشاں پہاڑوں کے اردگرد جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ بالکل معدوم ہو جائیں گی۔ اور "چھٹے کوار گندے" کی قسم کی شاعری ان کی جگہ لے کر جوالامکھی کی اندرونی حرارت کو ختم کر دے گی۔

ہندو سبھا کی ترائی۔

ہم بتا چکے ہیں۔ کہ ہندو سبھا کی ترائی کی آب و ہوا مرطوب ہے اور یہاں بہت سی دلدلیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن میں مچھر کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی دلدل کا نام "مہاپیر دلدل" ہے۔ یہاں "گندویرز" کی پیداوار ترقی پر ہے۔ تھالی کا بینگن اور پھوٹ بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہاں سے دوسرے علاقوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں آریہ سماج کی پہاڑیوں میں سونے کی ایک کان بھی نکلی ہے۔ جسے ستیہ گرہ کی کان کہتے ہیں۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے۔ کہ دریائے خورسند اور دریائے کرشنا کی تہ میں جو ریت کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ وہ اصل میں اسی کان کے فیض و اثر کا کرشمہ ہیں۔ اس کان کے آس پاس کے علاقہ کی مٹی "لیڈر" کی پیداوار کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور کھاد کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ عام طور پر یہاں کا لیڈر بہت پھیکا اور بے مزہ

ہوتا ہے۔ اور طاقت میں بھی دوسرے علاقوں کے لیڈر سے بہت کم۔ لیکن اس کی کھاد کے استعمال سے یہاں بہتر قسم کا لیڈر پیدا ہونے لگا ہے۔ مہابیرہ لدل کے علاقے میں "بلم ٹیر" بھی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن احراری کاہستان اور کانگرسی کوہستان کے بلم ٹیر سے بہت چھوٹا۔ "ستیاگرہ" کی کان کے دریافت ہونے کے بعد یہاں کے بلم ٹیر کی پیداوار ترقی کر رہی ہے چنانچہ یہاں سے بڑی کافی مقدار میں جنوبی ہند کو بلم ٹیر بھیجا جا رہا ہے۔

پھولوں میں یہاں "لالہ" بہت ہوتا ہے۔ جو آہستہ آہستہ نافرمان بنتا جاتا ہے۔ پھلوں میں "بہی" کی کثرت ہے۔ ایک قسم کا شہدانہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ جسے "مہاشہ" کہتے ہیں۔ یہاں کا ہر باشندہ "بہی کھاتا" ہے۔

وادیٔ لیگ۔

یہ وادی اگرچہ بہت چھوٹی ہے۔ لیکن اس میں ہر قسم کی جنس پیدا ہوتی ہے۔ ایڈیٹر بھی ہوتے ہیں۔ مولوی لیڈر۔ اور بلم ٹیر بھی لیکن وادیٔ لیگ کی پیداوار پنجاب سے زیادہ یو۔ پی میں فروخت ہوتی ہے۔ اس وادی کا ایک حصہ جو دریائے ظفر علی خان کی گذرگاہ ہے۔ اتحادِ ملت کہلاتا ہے۔ اور خاصا سرسبز علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں مانسہروی قسم کا مولوی بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور بہت قیمت پاتا ہے۔ البتہ لاہوری قسم کا پروفیسر بہت ارزاں ہے۔ اور خاص خاص موسموں میں دو پیسے سیر بکتا ہے۔ ثانوی دستکاریوں میں مرغیاں پالنے کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہے۔ اور لاہور میں جتنے انڈے

اور مرغیاں صرف ہوتی ہیں۔ وہ اسی سے آتی ہیں۔ مردہ باد اور زندہ باد بھی یہاں کثرت سے ہوتے ہیں۔ جلسہ اور جلوس تو یہاں کی خاص پیداوار ہیں جلوس اگرچہ بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ لیکن جلسے سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ ستیاگرہ اور سول نافرمانی یہاں بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بہت کم جلوس۔ تقریر قرار داد۔ "ہم مطالبہ کرتے ہیں"۔ اور "وقت آگیا ہے"۔ "ہم بتا دینا چاہتے ہیں" کی کثرت ہے۔

وادئی لیگ کے مشرق میں صحرائے خاکساران کا علاقہ ہے۔ اکثر محققین اسے بھی وادئی لیگ کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ ابتدا میں تو صحرا بہت چھوٹا سا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ بہت وسیع ہوتا جاتا ہے۔ یعنی وادئی لیگ کے سرسبز و شاداب حصے جن کی سرحد صحرائے خاکساراں سے ملتی ہے۔ بے آب و گیاہ میدان بنتے جاتے ہیں۔ کوئی عجب نہیں۔ کہ کسی زمانے میں سارا پنجاب یا کم از کم اس صوبے کا بہت بڑا حصہ صحرا بن کر رہ جائے۔ صحرائے "اہرِی زونا" بھی ایک زمانے میں نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ لیکن اب وہاں چٹانوں پتھروں اور ریت کے تودوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ محققین کہتے ہیں۔ کہ زمین کے بعض حصے نشو و نما کی قوت سے اس حد تک محروم ہو جاتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے درخت بھی پتھروں اور چٹانوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ داوئی لیگ میں بھی اسی قسم کا عمل جاری ہے۔ یعنی وہاں کے درخت متحجر ہوتے جاتے ہیں۔ صحرائے خاکساراں میں جیسے صحرائے مشرقی

بھی کہتے ہیں۔ ایک مٹیالے رنگ کی مخلوق ہوتی ہے۔ جسے خاکسار کہتے ہیں یہاں صرف ایک قسم کی بیل پیدا ہوتی ہے جس کا نام بیلچہ ہے بیلچہ کا پھل بہت مقوی ہے۔

وادئ لیگ کا خطہ اور اتحادی سطح مرتفع اگرچہ پاس پاس واقع ہیں۔ چنانچہ اکثر لوگ غلطی سے وادئ لیگ کو اتحادی سطح مرتفع اور اتحادی سطح مرتفع کو وادئ لیگ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ دونوں علیحدہ علیحدہ خطے ہیں۔ اور ان دونوں کی پیداوار میں بہت بڑا فرق ہے۔ البتہ دونوں علاقوں میں ایڈیٹر۔ مولوی۔ لیڈر اور یتیم ٹیر ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔

اکالی جنگلات کا خطہ

اس خطہ میں ہر طرف گنجان جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں چھوٹے چھوٹے جانوروں کی کثرت ہے۔ یہاں ڈھولک۔ اور جھانجھ۔ دیوان کیرتن اور کوئی دربار کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ امرت۔ پاہل۔ گنگا یعنی کڑاہ پرشاد یہاں کی خاص پیداوار ہے۔ یہاں کا لیڈر خالص ہوتا ہے اسی لئے اسے "خالصہ" کہتے ہیں۔ یہاں کے یتیم ٹیر عام طور پر "بہنگ" اور "ببر" قسم کے ہوتے ہیں۔ ذائقہ کے اعتبار سے کسی قدر تلخ لیکن بہت مقوی اکالی جنگلات اور اس کے آس پاس کے علاقوں کی پیداوار اگرچہ پنجاب کی پوری پیداوار کا ساتواں حصہ بھی نہیں پھر بھی اس علاقے کے لوگوں کی یہی کوشش ہے۔ کہ اس خطہ کی پیداوار پنجاب کی کل پیداوار کی تہائی جتنی قیمت پائے۔

اکالی جنگلات کے ساتھ ساتھ دُور تک ان جنگلات سے ملتا جلتا علاقہ پھیلتا چلا گیا ہے۔ جسے "خالصہ سرکار" سمجھا جاتا ہے۔ اس علاقہ میں جمعدار لفٹنٹ۔ صوبیدار۔ کپتان کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بصرہ۔ بغداد۔ جرمنی فرانس اور چین تک بھیجے جاتے ہیں۔

عام پیداوار

لیڈر اور بلم ٹیر صوبہ بھر میں ہر جگہ پیدا ہوتا ہے۔ کہیں کم اور کہیں زیادہ کہیں بڑا اور کہیں چھوٹا۔ کہیں میٹھا کہیں پھیکا۔ صوبہ کے کسی حصہ میں چلے جاؤ شاعر اور مشاعرہ بھی دونوں موجود ہیں۔ البتہ کہیں کہیں شاعر ناقدری کی وجہ سے "سائر" بن گیا ہے۔ اور مشاعرہ "مسائرہ"!

چودھری۔ سردار۔ راجہ۔ خان۔ لالہ بھی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں مہاشہ بھی بہت ہوتا ہے۔ پنجاب میں بھی اس کی بہت مانگ ہے۔ ویسا ور کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ اور بہت قیمت پاتا ہے۔ خاص طور پر ریاست حیدرآباد دکن میں تو لے سے ڈبوں میں بند کر کے بھیجا جاتا ہے۔ اور لاکھوں روپے کا کاروبار ہوتا ہے۔

ایڈیٹر بھی پنجاب کی خاص پیداوار ہے۔ اور ملک کے ہر قصبے میں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں بڑا ایڈیٹر ہوتا ہے۔ جس میں لیڈری کے خواص بھی پائے جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے شہروں میں چھوٹا ایڈیٹر جسے اکثر لوگ اخبارچی کہتے ہیں۔

پنجاب کی پیداوار میں مولوی اور سجادہ نشین بھی بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ مولوی ایک ریشہ دار پھل ہے۔ آم اور ناریل کے بین بین۔ زیادہ ریشہ دار ہو تو مولانا۔ ریشہ کم ہو تو مولوی۔ ذائقہ میں کسی قدر کڑواہٹ لئے ہوئے۔ پرانی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ یہ پھل بعض امراض میں بہت مفید ہے۔ یعنی اس کے استعمال سے ایمان کو تقویت ہوتی ہے۔ دل کی رنگت نکھرتی ہے۔ لیکن زمانہ حال کے تجربات سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ کہ اب پرانے زمانے جیسا مولوی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے اگلے سے خواص نہیں رہے۔ اب بے ریشہ مولوی اور مولانا بھی پیدا ہونے لگا ہے۔ جو ریشہ دار مولوی اور مولانا سے زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

سجادہ نشین ظاہری صورت شکل میں مولوی سے بہت ملتا جلتا ہے اس کے خواص بھی تقریباً وہی ہیں۔ جو مولوی کے۔ لیکن عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے۔ کہ سجادہ نشین مولوی سے زیادہ زود اثر ہے۔ نئے زمانے کے محققوں کو اس خیال کی صحت تسلیم کرنے سے بھی انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس زمانے کا سجادہ نشین مولوی سے زیادہ مضر اور بہت خراب آور ہے۔

پنجاب میں تھالی کا بینگن بھی کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور صوبہ کے ہر قصبہ میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ صوبہ بھر میں ہر جگہ ملتا ہے۔ اور

بہت قیمت پاتا ہے۔ بہت شیریں اور خوش ذائقہ ترکاری ہے۔ اور ہر موسم اور ہر قسم کی آب وہوا میں پیدا ہوتی ہے۔

انجمن ۔ سماج ۔ کمیٹی ۔ مجلس اور کانفرنس کے لئے بھی پنجاب بہت مشہور ہے ۔ یہ سب ایک ہی قسم کی خود رو پیداوار ہے ۔ صرف مختلف علاقوں کے باشندوں نے اس کے الگ الگ نام رکھ لئے ہیں ۔ اب تو اس کی باقاعدہ کاشت کا انتظام ہو گیا ہے ۔ اور مختلف مقامات پر سرکار نے اس کی کاشت کے لئے فارم کھول دیئے ہیں ۔ نئی تحقیق یہ ہے ۔ کہ اس قسم کی مصنوعی پیداوار مشین کے ذریعے بھی تیار ہو سکتی ہے ۔ اور اس کے ذریعے بے روزگاری کے مسئلہ کا حل باآسانی کیا جا سکتا ہے ۔

مولوی اور لیڈر دونوں زیادہ تر ایسے مقامات پر پیدا ہوتے ہیں ۔ جہاں انجمن سماج وغیرہ کے کھیت کثرت سے موجود ہیں ۔ ایڈیٹر بھی ان دونوں کے پاس پاس پیدا ہوتا ہے ۔

ایڈیٹر پہلے خود رو ہوا کرتا تھا ۔ اب اس کی کاشت کا انتظام ہو گیا ہے جگہ جگہ اس کے فارم ہیں ۔ جنہیں نور ہیڈ کے پانی سے جن میں معدنی اجزا کثرت سے ہیں ۔ سیراب کیا جاتا ہے ۔ سرکاری اشتہارات کی معدنی کھاد بھی ایڈیٹر کی کھاد کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے ۔

صوفی ۔ ملا ۔ پیش امام ۔ سجادہ نشین ۔ مشائخ اگرچہ اس صوبے کی بہت دولت ہیں ۔ لیکن ابھی تک یہ بھی خود رو ہیں ۔ کبھی کبھی کوئی ایسا

ناقص قسم کا صوفی یا ملا بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ساری فصل کو بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ احراری کیڑے بھی کبھی کبھی فصل کا ستیاناس کر جاتے ہیں۔ اب ان کی روک تھام کی تدبیریں ہو رہی ہیں۔ جو ابھی تک کامیاب ثابت نہیں ہوئیں
زمیندار۔ کسان پنجاب کی مشہور پیداوار ہیں۔ لیکن لالہ کی فصل سے انہیں سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ کیونکہ جہاں جہاں لالہ کی پیداوار ترقی پر ہے۔ وہاں زمیندار کسان کی نشو و نما کم ہو جاتی ہے۔ لالہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کلرک قسم کا لالہ اور ساہوکار قسم کا لالہ۔ کلرک قسم کا لالہ تو چنداں مضر نہیں۔ البتہ ساہوکار قسم کا لالہ بہت نقصان رساں ثابت ہوا ہے۔

انجمن۔ ایسوسی ایشن۔ کانفرنس مجلس پہلے قدرتی ہوتی تھی۔ اور وہ بھی زیادہ تر خودرو۔ لیکن اب مصنوعی بھی ہوتی ہیں۔ سب سے اچھی قسم کو انجمن کہتے ہیں۔ پنجاب میں آل انڈیا قسم کی انجمنیں اس کثرت سے ہیں کہ ہر گھر کے سامنے اس کے چند پودے ضرور ہیں۔ اور جہاں پودے نہیں وہاں گملے میں ہی ایک آدھ آل انڈیا انجمن بہار دے رہی ہے۔

کسی زمانے میں کانگرسی۔ احراری وغیرہ کی کثرت کے لئے پنجاب بہت مشہور تھا۔ لیکن کانگرسی اور احراری کی فصل کم ہوتی جا رہی ہے۔ اگرچہ مسلم لیگی کی ترقی کے لئے بڑی کوشش ہو رہی ہے۔ تاہم پنجاب کی آب و ہوا اس کے لئے موزوں نہیں۔ البتہ خاکسار کی فصل ترقی پر ہے۔ اکالی نہنگ۔ نامدھاری بھی بہت ہوتے ہیں۔ اور خاصی قیمت پاتے ہیں +

سوالات

(۱) بلم ٹیرا اور بیڈ میں کیا فرق ہے؟ دونوں کو اچھی طرح دیکھ کے سونگھ کے اور چکھ کے بتاؤ؟

(۲) بھی کھانہ۔ لالہ، ساہوکار کہاں کہاں پیدا ہوتے ہیں؟

(۳) اکالی ہنگرت کی پیداوار کا حال مختصر طور پر لکھو؟

(۴) پنجاب کے سپاہی۔ حوالدار۔ جمعدار۔ صوبیدار۔ کپتان مینجر کی مانگ کہاں کہاں ہے؟

(۵) ریشہ دار مولوی اور بے ریشہ مولوی میں کیا فرق ہے؟ بے ریشہ مولوی کی رنگت ذائقہ وغیرہ کے متعلق تمہیں جو کچھ معلوم ہے تفصیل سے لکھو۔

(۶) ایڈیٹر کی کاشت کے لئے سب سے زیادہ کون سی کھاد موزوں ہے۔ نور ہیڈ کہاں واقع ہے۔ اور ایڈیٹر کی کاشت میں کیوں مفید ثابت ہُوا ہے۔

(۷) لاہور میں آل انڈیا انجمنوں کے جو کھیت ہیں۔ اُن کا مجموعی رقبہ کیا ہے؟ کسی پٹواری سے پوچھ کر بتاؤ۔

صنعت و حرفت۔ تجارت وغیرہ

پنجاب زراعتی صوبہ ہے۔ صنعت و حرفت نے یہاں بہت کم رواج پایا ہے۔ پھر بھی کچھ عرصہ سے یہاں بعض خاص خاص صنعتوں کی جانب اچھی خاصی توجہ کی جا رہی ہے۔

جن علاقوں میں بلم ٹیروں اور لیڈروں کی زراعت کثرت سے ہوتی ہے۔ وہاں انجمن سازی فروغ پر ہے۔ انجمن سازی پہلے محض ایک گھریلو

دست کاری کی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن اب لیڈروں اور بلم ٹیروں کے کھیتوں کے پاس پاس انجمن سازی کے کارخانے کھل گئے ہیں۔

کاغذ رنگنا بھی پنجاب کی بڑی مشہور صنعتوں میں سے ہے۔ اور پنجاب کے بڑے بڑے شہروں خصوصاً لاہور میں ہر روز سینکڑوں من کاغذ سیاہ اور سرخ روشنائی سے رنگ کے دساور کو بھیجا جاتا ہے۔ رنگے ہوئے کاغذوں کی کئی قسمیں ہیں۔ سستی قسم کے رنگے ہوئے کاغذ اخبار اور رسالے کہلاتے ہیں۔ اور اعلیٰ قسم کے کاغذوں کو کتاب کہا جاتا ہے۔ جہاں جہاں اخبار نویسی کے کھیت ہیں۔ وہاں وہاں کاغذ رنگنے کی صنعت بڑے زور پر ہے۔ اخبار نویسی کے کھیت عام طور پر لیڈروں اور بلم ٹیروں کے کھیتوں کے پاس پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے انجمن سازی اور اخبار نویسی یا دوسرے الفاظ میں کاغذ رنگنے کے کارخانے ایک دوسرے کے پاس پاس واقع ہیں۔

ووٹ قدرتی بھی ہوتے ہیں۔ اور کارخانوں میں بھی ڈھالے جاتے ہیں۔ لیکن ووٹ مصنوعی ہوں یا قدرتی۔ انکی مانگ زیادہ تر انتخابات کی فصل میں ہی ہوتی ہے۔ ووٹ زیادہ تر ممبری کی فصل کے لئے کھاد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس فصل کا انحصار زیادہ تر اسی کھاد پر ہے ووٹ جتنے زیادہ ہوں گے۔ فصل اتنی ہی اچھی ہو گی۔

پنجاب میں کان کنی اور ماہی گیری کے پیشے رو بہ زوال ہیں بدسکندری اور بھارہ گو پربت میں سونے چاندی کی کانیں ہیں۔ کوہ شہاب الدین

سے کوئلہ اور لوہا نکلتا ہے۔ کوہ ممدوٹ کسی زمانے میں مختلف قسم کی کانوں کے لئے مشہور تھا۔ لیکن اب اس کی معدنی دولت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ اکثر لوگ جھیل دولتانہ میں مچھلیاں پکڑنے جاتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ سے اس جھیل میں مچھلیاں بہت کم ہو گئی ہیں۔ البتہ دریائے کرشنا اور دریائے خورستد میں اب بھی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں مل سکتی ہیں۔ دریائے ظفر علی میں مچھلیاں سرے سے ہی ہوتی نہیں۔

تعویذ۔ گنڈا۔ جھاڑ پھونک گھریلو دستکاریاں ہیں۔ اور ان علاقوں کے لئے مخصوص ہیں۔ جہاں پیر ملّا۔ مولوی وغیرہ کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ بیرون پنجاب کے علاقہ میں بھی پنجاب کے تعویز گنڈوں کی بڑی مانگ ہے۔ لیکن ابھی تک اس کے بڑے بڑے کارخانے قائم نہیں ہوئے جو اس مانگ کو پورا کر سکیں۔

غرض پنجاب کی سب سے بڑی دولت یہاں کی زرعی پیداوار ہے۔ صنعت و حرفت کی طرف یہاں بہت کم توجہ ہوئی ہے۔ لیکن زرعی پیداوار کو مصنوعات پر فوقیت حاصل ہے۔ اگر پنجاب کے شاعر لیڈر۔ ایڈیٹر پیر ملّا۔ مولوی صوفی اخبار نویس دساور کو نہ بھیجے جائیں۔ تو ہندوستان کے لوگ فاقے کر کر کے مر جائیں۔ لیکن اگر ہندوستان کے دوسرے حصوں کی مصنوعات پنجاب میں نہ آئیں۔ تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ پنجاب میں خاص اجناس کثرت سے ہیں۔ ہم چاہیں تو تھوڑی سی تکلیف گوارا

کر کے ہر قسم کی اعلےٰ مصنوعات یہاں تیار کر سکتے ہیں۔

پارچہ بافی کی صنعت نے پنجاب میں چنداں ترقی نہیں کی۔ البتہ دروغ بافی کو خاصہ فروغ حاصل ہوا ہے۔ اب اس صنعت کو ترقی دینے کے لئے نئے طریقے سوچے جا رہے ہیں۔ کیونکہ دروغ کی مصنوعی کھاد بٹیر، لبیڑ، اور بلم بیٹر کی فصل کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔

لاہور میں دہلی دروازہ کے باہر احراری کاہستان والوں نے ایک عظیم الشان کارخانہ کھولا ہے۔ جس میں کاہستانی بلم بیٹروں کا جیش طیار ہوتا ہے۔ اس کارخانہ میں زندہ باد بھی کافی مقدار میں تیار ہوتا ہے۔ اس قسم کا ایک کارخانہ اچھرہ میں بھی ہے جس میں خاکسار ڈھلتے ہیں۔ پنجاب میں اپنی قسم کا سب سے پہلا کارخانہ ہے۔ دوسرے تمام کارخانے اس کی نقل ہیں۔ یہ صنعت پنجاب میں بڑی ترقی کر رہی ہے۔ اور جگہ جگہ اس انداز کے ہندو مسلمان کارخانے قائم ہو رہے ہیں پنجاب چونکہ فوجی صوبہ ہے۔ اس لئے بہار گو پربت اور ست پڑا کے دامن اور احراری کاہستان صحرائے خاکساراں اور داؤ ٹی لیگ میں سامان حرب کے کارخانے کھل رہے ہیں۔ جن میں گالیوں کی گولیاں اور پھبتیوں کے چھرے ڈھلے جاتے ہیں۔ داؤ ٹی لیگ میں اس قسم کا سب سے بڑا کارخانہ اتحاد ملت کا کارخانہ ہے۔ جہاں دیسی طریقہ سے نیلی پوش بھی تیار ہوتے ہیں۔ اس کا ایک آسان طریقہ ہے۔ کہ جو بھلا مانس اس کارخانے میں قدم رکھتا ہے۔ اسے کپڑوں سمیت نیل کے ماٹ میں غوطہ دیا جاتا ہے۔ اور

اس طرح اُس کی ہڈیاں تک نیلی ہو جاتی ہیں۔
آج سے کچھ عرصہ پہلے تحریک شہید گنج پنجاب کی سب سے بڑی صنعت سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کے لئے پنجاب بھر میں جگہ جگہ کارخانے قائم تھے یہ تحریک الیکشن کی فصل میں خاص طور پر بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور مدتوں ممبری کی فصل کے لئے اسے مصنوعی کھاد کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا۔ اس کے علاوہ بعض علاقوں میں اس تحریک کی مدد سے ایک خاص قسم کا لیڈر بھی پیدا کیا گیا۔ جو اب تک برابر استعمال ہو رہا ہے لیکن جب سے اتحادی سطح مرتفع کے سکندری کارخانے میں سنہری قوانین جنہیں بعض لوگ کالے قانون بھی کہتے ہیں۔ ڈھلنے لگے ہیں۔ تحریک شہید گنج کی مانگ بہت کم ہو گئی ہے۔ اور اب اس تحریک کی بجائے سنہری قوانین کو استعمال کیا جاتا ہے +

سوالات

(۱) پنجاب کی بڑی بڑی صنعتیں کیا ہیں۔ سچ سچ بتاؤ ؟

(۲) اخبار نویسوں کے کھیت کن کن مقامات پر واقع ہیں۔؟

(۳) کاغذ رنگنے کے کارخانے سے کیا مراد ہے ؟

(۴) دریائے ظفر علی خان میں مچھلیاں کیوں نہیں ہوتیں ؟ تمہیں معلوم نہ ہو تو کسی سے پوچھ کے بیان کرو ؟

(۵) پنجاب کی گھریلو دستکاریاں کون کون سی ہیں؟

(۶) پنجاب کی کون کونسی مصنوعات باہر بھیجی جاتی ہیں؟

(۷) اچھرہ اور دہلی دروازہ کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ اور کیا نہیں جانتے۔ حلف اٹھا کے بیان کرو؟

(۸) سنہری قوانین کا کارخانہ کہاں واقع ہے؟ بتاؤ سنہری قوانین کے کارخانے نے دریائے ظفر علی خاں پر کیا اثر ڈالا ہے؟

چھٹا باب

ذرائع آمد و رفت

پنجاب میں ایک غیر ہموار علاقہ ہے۔ جس کے اکثر حصوں میں کوہستان
اور جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ کہیں اونچے نیچے ٹیلے ہیں۔ کہیں صحرا
اور ریگ زار جن میں سارا سارا سال صرصر نفاق چلتی رہتی ہے۔ برساتی
ندی نالے کثرت سے ہیں۔ جنہوں نے جگہ جگہ دلدلیں پیدا کر دی ہیں
ان دلدلوں میں خوفناک اژدہا رہتے ہیں۔ جن کے ڈر کے مارے کسی کو

ان کی طرف رُخ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ یہاں کی سڑکیں کچی ہیں۔ کہیں کہیں تو ایسی پگڈنڈیوں پر سفر کرنا پڑتا ہے۔ جن پر چند قدم چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ راستہ میں کہیں گہرے کھڈ۔ کہیں اونچے پہاڑ۔ کہیں ندی نالے کہیں دریا۔ جن پر پل تک موجود نہیں۔ بعض علاقوں میں پکی سڑکیں بھی ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے۔ کہ پنجاب کے دریا اپنی گذرگاہ بدلتے وقت ان سڑکوں کو بھی بہا لے جاتے ہیں۔ اور سرکار کو نئے سرے سے سڑکیں بنانی پڑتی ہیں۔ سڑکوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پنجاب کے مختلف علاقوں کے لوگ ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ نظر آتے ہیں +

سڑکیں

بہرحال سرکار آمدورفت کے معاملے میں سہولتیں بہم پہنچانے اور سڑکیں اور پل بنانے کے لئے نہایت قابل قدر کوششیں کر رہی ہے۔ اور کچھ عرصہ سے تو جگہ جگہ سڑکوں کا جال بچھ گیا ہے۔ کسی زمانے میں ہندو سبھا کی ترائی اور اتحادی سطح مرتفع کے درمیان خطرناک پگ ڈنڈیوں کے سوا آمدورفت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اور اتحادی سطح مرتفع کے لوگ بڑی مشکل سے ہندو سبھا کی ترائی تک پہنچتے تھے لیکن سرکار نے ایک پختہ سڑک کے ذریعے ان دونوں علاقوں کے درمیان آمدورفت کا سلسلہ قائم کر دیا ہے۔ چنانچہ نریندر ناگ سے ایک سیدھی

سڑک سکندر مونٹ تک چلی جاتی ہے۔ برسات کے موسم میں یہ سڑک جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ اور بعض مرتبہ تو بالکل راستہ ہی بند ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سڑک کی مرمت کا انتظام بہت اچھا ہے۔ اس لئے یہ حالت زیادہ دیر تک نہیں رہتی۔

ہندوسبھا کی ترائی سے بھارگو پربت تک پہنچنا بہت آسان ہے۔ کیونکہ یہاں بہت سی پرانی سڑکیں موجود ہیں۔ جو بھارگو پربت کو ہندوسبھا کی ترائی سے ملا دیتی ہیں۔ ان سڑکوں کی وجہ سے ان دونوں علاقوں کے درمیان تجارت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اور اب تو بھارگو پربت سے اتحادی سطح مرتفع تک بھی ایک سڑک بن گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ان علاقوں کے درمیان سلسلہ رسل و رسائل قائم ہو گیا ہے۔ ورنہ کبھی زمانے میں تو اس علاقے کا سفر کرنا بڑا جان جوکھم کا کام سمجھا جاتا تھا۔

احراری کاہستان کے علاقہ میں سڑکیں بہت کم ہیں۔ چنانچہ اس علاقے کے لوگ ابھی تک پاپیادہ سفر کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں انجنیروں نے کوشش کی تھی۔ کہ مظفر کوہ سے اتحادی سطح مرتفع تک ریلوے لائن تعمیر کر دی جائے۔ لیکن اس معاملہ میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ ست پڑا اور احراری کاہستان کا کوئی باشندہ اگر اتحادی سطح مرتفع تک پہنچنا چاہئے۔ تو اسے پہلے ست پڑا تک پہنچنا پڑتا ہے۔ ست پڑا سے بھارگو پربت تک ایک پرانی سڑک موجود ہے۔ جو اب کسی قدر

ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ بہرحال اس کے ذریعے سفر ہو سکتا ہے۔ اور بھارگو پربت سے آگے تو سکندر مونٹ تک ایک کشادہ سڑک موجود ہے۔

سڑکوں کی حالت کا اندازہ لگانے کے لئے یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔ کہ سڑکیں دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک کچی دوسری پکی۔ کچی سڑک پر صرف مٹی بچھا دیتے ہیں۔ اس لئے یہ بہت جلد ٹوٹ جاتی ہے۔ پکی سڑک کنکر پتھر کوٹ کر تیار کی جاتی ہے۔ بعض پکی سڑکوں پر کولتار بھی بچھا دیا جاتا ہے۔ اتحادی سطح مرتفع سے وادئ لیگ کو جو سڑک جاتی ہے۔ وہ کچی ہے۔ اس لئے ہمیشہ ٹوٹنے پھوٹنے کا خطرہ رہتا ہے۔ اس سڑک کی مرمت کے لئے بہت سے مزدور مقرر ہیں۔ حال ہی وادئ لیگ اور اتحادی سطح مرتفع کے درمیان ایک ریلوے لائن تعمیر ہوئی ہے جس پر گاڑیوں کی آمد و رفت بھی شروع ہو گئی ہے۔ لیکن بڑے بڑے انجینیروں کی رائے ہے۔ کہ یہ لائن اعلےٰ انتظام کے باوجود محفوظ نہیں ممکن ہے۔ کہ کسی دن زمین کے اندرونی تغیرات کی وجہ سے یہ ریلوے لائن بالکل تباہ ہو جائے۔ اور لوگوں کو پھر گھوڑوں اور اونٹوں یا بہیلیوں اور چھکڑوں پر سفر کرنا پڑے۔ لیکن اس ریلوے لائن کے خطرات کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔ عام لوگ اس سڑک کو بہت محفوظ سمجھتے ہیں۔

اکالی جنگلات اور بھارگو پربت کے درمیان پکی سڑک ہے۔ اس سڑک پر کچلو نگر بہت اہم مقام ہے۔ جو اکالی بلم ٹیروں کی بہت بڑی منڈی

سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اب اس منڈی کی رونق اور آبادی میں بہت فرق آگیا ہے۔ اس سے کسی قدر مشرق کی طرف ہٹ کے افتخار پورہ ایک مشہور بستی ہے۔ جو حال میں آباد ہوئی ہے۔ افتخار پورہ سے ایک سڑک نکلی ہے۔ جو سیدھی اشتراکی جوالاکھی کو چلی جاتی ہے+

ہندوسبھا کی ترائی اور اتحادی سطح مرتفع کو ایک پکی سڑک ملاتی ہے۔ جو بظاہر ٹوٹی پھوٹی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اصل میں یہ سڑک بہت محفوظ ہے۔

بھارگو پربت اور ست پڑا کے درمیان ایک کچی سڑک موجود ہے ست پڑا سے آگے احراری کاہستان تک ایک کچی سڑک جاتی ہے۔ جو بہت ٹوٹی پھوٹی ہوئی ہے۔ افضل گنج اور حبیب آباد جو احراری کاہستان کی مشہور بستیاں ہیں۔ اسی سڑک پر واقع ہیں+

پنجاب کے دریاؤں اور ندی نالوں کی وجہ سے سڑکوں کو بہت نقصان پہنچتا رہا ہے۔ اکثر اوقات ایسا ہوا۔ کہ کسی دریا نے اپنا رُخ بدل لیا۔ اور اکثر سڑکیں بالکل تباہ ہو گئیں۔ اس کے علاوہ جب کبھی ان دریاؤں میں طغیانی آئی ہے۔ سڑکوں کو بہا کے لے گئی ہے۔ لیکن اب اتحادی انجینئروں نے ان دریاؤں پر بند باندھ دیئے ہیں۔ ان سے نہریں نکالی ہیں۔ جن سے اکثر دیہات سیراب ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ان دریاؤں پر جگہ جگہ عالیشان پل تعمیر کئے گئے ہیں۔ جن پر سے ریل گاڑیاں موٹریں

اور لاریاں گذرتی ہیں۔ البتہ اشتراکی جوالا مکھی کا نگڑسی سلسلہ کوہ اور احراری کاہستان کے درمیان جو کچی سڑکیں موجود ہیں۔ ان کی مرمت کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔

دریائے مہراد، دریائے سالک پر تو مدت سے پکے پل موجود ہیں۔ دریائے ظفر علی خان۔ دریائے نورا اور دریائے مرتضیٰ پر حال ہی میں پل تعمیر کئے گئے ہیں۔ ان میں دریائے ظفر علی خان کا پل دیکھنے کے قابل ہے۔ اور انجینیری کے عجائبات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس دریا پر پل تعمیر کرنے کی کوشش بڑی مدت سے ہو رہی تھیں۔ اور اس غرض کے لئے بڑے بڑے غیر ملکی انجنیروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اس لئے مایوس ہو کر یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔ آخر پنجاب کے ایک نوجوان انجنیر کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔ کہ اگر اس دریا سے ایک نہر نکال لی جائے۔ تو اس کا پانی کم ہو جائے گا۔ اور پل تعمیر کرنے میں آسانی ہوگی۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی۔ اور عرصہ دراز کی محنت اور کدوکاش کے بعد پل تعمیر کر دیا گیا۔

دریائے دیرا پر بھی ایک مضبوط پل باندھ دیا گیا ہے۔ دریائے نور رسد پر ابھی تک ایک عارضی سا پل ہے۔ لیکن اب ایک مضبوط پل باندھنے کے مسلہ پر غور ہو رہا ہے۔ دریائے کرشتا پر ابھی تک رسوں کا ایک پل ہے۔ باقی تمام دریاؤں پر مضبوط پل موجود ہیں۔

پنجاب میں ریلیں کم ہیں۔ بہت سے علاقے ایسے ہیں۔ جہاں ابھی تک

پہلیوں گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر ہوتا ہے۔ لیکن اب یہ کوشش ہو رہی ہے۔ کہ سارے علاقہ میں ریلوں کا جال بچھا دیا جائے۔ چنانچہ اکثر ایسے علاقوں کو جو ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ تھے۔ ریل کے ذریعے ایک دوسرے سے ملا دیا گیا ہے۔ اور ان میں بھاری بھرکم گاڑیاں بھک بھک کرتی دوڑتی پھرتی ہیں۔

پنجاب کی سب سے بڑی ریلوے لائن وہ ہے۔ جو سکندر مونٹ سے کوہ چھوتورام تک چلی جاتی ہے۔ یہ ریلوے لائن بہت پرانی ہے۔ اور مغربی اور مشرقی پنجاب کے اکثر آباد شہر اسی ریلوے لائن پر آباد ہیں۔ اس ریلوے لائن پر سب سے بڑا اسٹیشن سکندر نگر ہے جو سکندر مونٹ کے دامن میں واقع ہے۔ یہاں سے مختلف اطراف میں ریلوے لائنیں نکلتی ہیں۔ اس سے آگے مظفر آباد کا مشہور اسٹیشن ہے۔ کسی زمانے میں یہ شہر پنجاب کا بڑا تجارتی مرکز تھا۔ مگر اب چھوٹا سا شہر رہ گیا ہے۔ اس شہر کے ساتھ ساتھ مظفر کوہ کی اونچی اونچی پہاڑیاں پھیلتی چلی گئی ہیں۔ یہاں سے احرادی کاہستان کو ایک راستہ بھی جاتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ ہوا نواح کے کوہستانی ندی نالوں میں بڑے زور کی طغیانی آئی۔ اور پانی کا ریلا ان کچی سڑکوں کو بہا کے لے گیا۔ مظفر آباد سے اکالی جنگلات کو ایک پکی سڑک گئی ہے۔ جو اب تک برابر طوفانوں اور سیلابوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ اکالی جنگلات کی لکڑی اس سڑک

کے ذریعے مظفر آباد پہنچی جاتی ہے۔ چنانچہ اس گئی گذری حالت میں بھی مظفر آباد لکڑی کی مشہور منڈی ہے۔ اور یہاں جو فرنیچر بنتا ہے۔ وہ بہت مضبوط اور نفیس ہوتا ہے +

یہاں ایک چھوٹی سی ریلوے لائن بھی نکلی ہے۔ جس پر انجمن آباد اور کالج پورہ وغیرہ مشہور بستیاں ہیں۔ کالج پورہ سے آگے دل محمد روڈ ہے۔ جو پنجاب کی سب سے بڑی علمی سڑک ہے۔ اس سڑک پر ہر جگہ اقلیدس کی شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ اور جبر و مقابلہ اور حساب کے سوال اور ان کے حل بکھرے پڑے ہیں۔ یہ سڑک تجارتی مقاصد کے لئے بھی بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اور اس کے ذریعے علم جیسی قیمتی جنس گھوڑوں اور اونٹوں پر لدی ہوئی اکثر دور افتادہ علاقوں تک پہنچ رہی ہے جعفری روڈ جو کالج پورہ سے شروع ہوتی ہے۔ اور انجمن آباد تک پیچ و خم کھاتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ دل محمد روڈ سے ملی ہوئی ہے ہمایوں نگر کی بستی جسے افغانوں نے آباد کیا ہے۔ اس سڑک پر واقع ہے۔

مظفر آباد سے آگے سکندر چھوٹو ریلوے لائن دہنے ہاتھ کو مڑ گئی ہے کوٹ نواز خان کا مشہور شہر جو ایک خوش منظر اور فرحت افزا مقام ہے۔ یہیں واقع ہے۔ یہاں کی زمین بڑی آفت خیز ہے اس لئے انجنیروں کو یہاں ریلوے لائن بچھانے اور سٹیشن تعمیر کرنے میں سخت دقتیں پیش آئیں۔ پہلے پٹڑی بچھائی گئی۔ تو وہ زمین میں دھنس گئی

پھر یہ کوشش کی گئی تو پانی نکل آیا۔ اس لئے مجبوراً کسی قدر دہنے ہاتھ کو ہٹنا پڑا۔ پیر کھٹڈ اس نواح میں ایک مشہور مقام ہے۔ جسے لال پیر بھی کہتے ہیں۔ لیکن ریلوے لائن سے بہت دور ہے۔ اس بستی تک صرف کچی سڑکیں جاتی ہیں۔ جن پر ہمیشہ گرد اڑتی رہتی ہے۔ کبھی کبھی مینہ کا چھینٹا پڑ جاتا ہے۔ تو گرد دب جاتی ہے۔ لیکن سڑک اس قدر ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے۔ کہ دو قدم چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ پچھلے دنوں یہاں بڑے زور کا زلزلہ آیا تھا۔ اور یہ بستی غرق ہوتے ہوتے بچی تھی۔ اس سے آگے غضنفر نگر مشہور شہر اور ایک نہایت زرخیز علاقے کے مرکز میں واقع ہے جہاں ملا اور پیر کے علاوہ اعلیٰ درجہ کا صوبیدار جمعدار اور نہایت نفیس قسم کا بلم ٹیرڈی پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے غضنفر نگر نے بہت بڑی تجارتی منڈی کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس شہر میں اکثر پرانی عمارتیں بھی موجود ہیں۔ جن میں یہاں کا امام باڑہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

کوہ خضر کی گھاٹیوں کے پاس خضر آباد کا بارونق شہر ہے۔ جو اس لائن پر ایک مشہور اسٹیشن ہے۔ یہاں سے ایک چھوٹی سی ریلوے لائن نکالی گئی ہے۔ جس نے ٹوانہ گنج کو اس مرکزی لائن سے ملا دیا ہے۔ نون پورہ کی بستی جہاں نمک کی کان ہے۔ اسی لائن پر واقع ہے۔ ٹوانہ گنج اور نون پورہ کے آس پاس کا علاقہ نہایت زرخیز ہے۔

یہاں اعلیٰ درجے کا میجر کپتان۔ صوبیدار پیدا ہوتا ہے۔ جو دساور کو

بھیجا جاتا ہے۔ اور بڑی قیمت پاتا ہے۔ اور نون پورہ کے نمک کی نوداییت
میں بھی مانگ ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہئے۔ کہ اب اس کی کھپت زیادہ تر
نہیں ہے۔

آگے چل کر ریلوے لائن کے دہنے ہاتھ نور پور کی بستی ہے۔ جسے
میاں گنج بھی کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں ایک پکی سڑک کے ذریعے اس
بستی تک آمد و رفت ہوتی تھی۔ اور ریلوے کے حکام کا ارادہ ہو چلا تھا۔
کہ نور پور تک ایک ریلوے لائن نکالی جائے۔ لیکن اب یہ سڑک بہت
خراب و خستہ حالت میں ہے۔ اور اس پر سفر کرنا مشکل ہے۔ اچھی سڑک
کے نہ ہونے کی وجہ سے نور پور کی رونق کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ اگرچہ
نور پور کانگرسی کوہستان اور احراری کاہستان کے قریب ہے۔ لیکن بعض
دشوار گذار پگڈنڈیوں کے سوا ان علاقوں تک رسل و رسائل اور
آمد و رفت کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ دولتانہ جو جھیل دولتانہ کے پاس
آباد ہے۔ اس لائن پر ایک مشہور اسٹیشن ہے۔ اس اسٹیشن کی عمارت
بہت وسیع ہے۔ اسٹیشن کے ساتھ ہی شہر دولتانہ پھیلتا چلا گیا ہے شہر
سے کچھ دور ہٹ کر کوہ شہاب الدین کی سنگلاخ چٹانیں سر اٹھائے کھڑی
ہیں۔ یہ علاقہ آہستہ آہستہ فلمی صنعت کا مرکز بنتا جاتا ہے۔ اور کچھ عرصہ
سے تو یہاں شاعری کے کارخانے بھی قائم ہو رہے ہیں۔ یہیں سے
ایک سڑک ٹھٹھہ گرمانی کو نکلتی ہے۔ جو اس نواح کی ایک مشہور بستی

ہے۔ اگرچہ یہاں پانی کمیاب ہے۔ آس پاس کا علاقہ بھی بنجر ہے۔ پھر بھی یہ بستی
بہت پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں جگہ جگہ اونچے نیچے ٹیلے ہیں۔ جو دور سے بھلے
معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے آگے ممدوٹ ہے۔ جو کوہ ممدوٹ میں واقع ہے۔ یہیں سے
وادیٔ لیگ شروع ہوتی ہے۔ ممدوٹ کے آس پاس کا علاقہ بہت زرخیز
اور شاداب ہے۔ اور یہاں سے وادیٔ لیگ تک کئی کشادہ سڑکیں
نکلتی ہیں۔ دولتانہ سے وادیٔ لیگ تک ایک پختہ سڑک بنی ہوئی تھی
جو انتخابات کے موسم میں ٹوٹ پھوٹ گئی تھی ابھی تک اس سڑک کی مرمت
نہیں ہو سکی۔

وادیٔ لیگ کے اہم مقامات میں برکت گنج۔ مہدی آباد۔ رسول پور
عاشق آباد قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں عاشق آباد تو اچھوتوں کی بستی ہے۔ رسول پور
کو صرف اس اعتبار سے اہمیت حاصل ہے۔ کہ یہاں سے کچھو نگر تک
ایک سڑک نکلی ہے۔ مہدی آباد میں ماہی گیر رہتے ہیں۔ لیکن یہاں کا بازار
بھی روبہ تنزل ہے۔ خصوصاً انتخابات کی فصل اس کے لئے بہت منحوس
ثابت ہوئی ہے۔

برکت گنج اس مقام سے کچھ دور ہٹ کے واقع ہے۔ یہاں وادیٔ لیگ
اور اتحادی سطح مرتفع کے ڈانڈے ملتے ہیں۔ ایک زمانے میں یہ بستی
وادیٔ لیگ کا سب سے بڑا اہم مقام سمجھی جاتی تھی۔ پھر کچھ ایسے پیچ

پڑے۔ کہ برکت گنج کا شمار اتحادی سطح مرتفع میں ہونے لگا۔ اور اسے ایک وسیع سڑک کے ذریعے سکندر چھپڑو ریلوے سے ملا دیا گیا۔ اب کچھ دنوں سے یہ حال ہے۔ کہ برکت گنج نہ اتحادی سطح مرتفع میں شامل ہے نہ اس سے باہر۔ بلکہ وادی لیگ اور اتحادی سطح مرتفع کے درمیان حدّ فاصل کا کام دے رہا ہے۔ سکندر چھپڑو ریلوے سے اسے جو سڑک ملاتی ہے۔ اس کا بھی عجیب حال ہے۔ یعنی کبھی تو یہ کیفیت نظر آتی ہے کہ اس سڑک پر چھکڑے موٹریں اور لاریاں سفر کر رہی ہیں۔ اور رسول پور مہدی آباد اور عاشق آباد اس طرح اس سے بے تعلق ہو کے رہ گئے ہیں گویا ان میں اور برکت گنج میں کبھی کوئی سلسلہ رسل و رسائل تھا ہی نہیں۔ اور کبھی یہ حال ہے۔ کہ برکت گنج سے ریلوے لائن تک ساری سڑک ٹوٹی پڑی ہے۔ کہیں گڑھے۔ کہیں مٹی کے ڈھیر کہیں جوہڑ اور تالاب بیوموٹر لاری اور چھکڑے پر سفر کرنا ایک طرف رہا۔ پیدل چلنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس حالت میں اس علاقے کا سفر کرنا ہو تو پہلے رسول پور جائیں۔ اور وہاں سے پگڈنڈی کے ذریعے برکت گنج پہنچیں۔

ریلوے لائن سے کچھ فاصلہ پر عالم پور بھی ایک اہم مقام ہے۔ جو کانگرسی سلسلہ کوہ کے پاس واقع ہے۔ کسی زمانے میں یہ بستی ایک ٹیلے پر واقع تھی جو کانگرسی سلسلہ کوہ میں شامل تھا۔ لیکن اب یہ ٹیلا ویران پڑا ہے۔ اور عالم پور کی نئی بستی اس ٹیلے سے کچھ دور ہٹ کے ایک ایسی

جگہ آباد ہو گئی ہے۔ جہاں ایک طرف اتحادی سطح مرتفع پھیلتی چلی گئی ہے۔ دوسری طرف وادئی لیگ ہے۔ اور تیسری جانب کوہستان۔

اس ٹیلے سے دو ندیاں بھی نکلتی رہی ہیں۔ جن میں ایک کا نام جوئے مساوات تھا۔ دوسری کا آبِ تریاق لیکن اب یہ دونوں مدت سے خشک پڑی ہیں۔ احراری کاہستان کے خانہ بدوش اہلِ قبائل جو چارہ اور پانی کی تلاش میں کانگرسی کوہستان کی طرف آنکلتے تھے۔ ہمیشہ اس ٹیلے سے بچ کے چلتے اور آبِ تریاق کو زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔ اب تو یہ ٹیلا ویران ہے۔ ندیاں خشک۔ عالم پور کی بستی بھی وہاں نہیں جہاں پہلے تھی پھر بھی ان کاہستانیوں کو عالم پور کے نام سے چڑسی ہے۔

عالم پور کی نئی بستی کا محل وقوع کچھ ایسا ہے۔ کہ اسے چاہے۔ وادئ لیگ کی بستی کہہ لیجئے۔ چاہے اتحادی سطح مرتفع کی۔ اور چاہے کانگرسی کوہستان کے حصوں میں شمار کیجئے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ان دونوں کانگرسی کوہستان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اور سکندر چھو لو ریلوے سے اس قصبہ تک ایک چوڑی سڑک بن گئی ہے۔ لیکن سڑک کے ایک طرف دریائے ظفر علی خان بہتا بہاتا چلا جاتا ہے۔ دوسری طرف بڑا سٹ کی سنگلاخ چٹانیں سر اٹھائے اور دانت نکالے کھڑی ہیں۔ اس لئے لوگ اس سڑک پر سفر کرتے ڈرتے ہیں۔ کسے معلوم کہ دریا کبھی جوش میں

آئے۔ اور سڑک کو بہا لے جائے۔ یا ان پہاڑوں سے کوئی چٹان آگرے اور مسافروں کو ہلاک کر ڈالے۔ پھر عالم پور کی بستی کا وجود بھی سراب سے کم نہیں۔ ہر چند کہیں کہ ہے۔ نہیں ہے۔ عالم پور کے متعلق ہمیں خود بھی صرف اتنا معلوم ہے۔ کہ انتخابات کے مکھڑے موسم میں یہاں ایک میلہ لگتا ہے۔ جس میں شہید گنج کی اینٹیں بکتی ہیں۔

اس لائن پر بیگم آباد مشہور اسٹیشن ہے۔ بیگم آباد میں لڑکیوں کا کالج ہے۔ تعلیم نسواں کی تحریک یہاں بڑے زوروں پر ہے۔ یہاں سے ایک ریلوے لائن میاں پورہ کو جاتی ہے۔ جو میاں کے ٹیلے کے دامن میں واقع ہے۔ میاں پورہ میں تعلیم کا چرچہ بہت ہے۔

یہ بستی آم کے پیڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ درختوں پر طوطوں کا ہجوم جو کیریوں کو کتر کتر کے ڈھیر لگا دیتے ہیں یہاں آم پکنے نہیں پاتے اس لئے زیادہ تر کیری ہی کام آتی ہے۔

اس سے آگے منوہر استھان ہے۔ جو منوہر پربت کے پاس ہے۔ یہ شہر بھی کھاتے کی منڈی ہے۔ یہاں لالہ بھی خوب پیدا ہوتا ہے۔ ننانوے کا پھیر یہاں کا مشہور تحفہ ہے۔

ریلوے لائن سے داہنی طرف چھوٹا مولوی گنج ہے۔ جسے قصوری کی بستی بھی کہتے ہیں۔ یہ چھوٹی سی صاف ستھری بستی ہے۔ اور ایک چھوٹی سی سڑک کے ذریعے ریلوے لائن سے ملی ہوئی ہے۔ یہاں کے مکان

بھی چھوٹے چھوٹے ہیں۔ بازار آئینہ کی طرح شفاف لیکن بقامت کہتر بقیمت بہتر۔ یہاں ایک اسکول بھی ہے۔ جہاں مختصر نویسی سکھائی جاتی ہے اس سے کچھ دور ہٹ کے سندربن اور اس کے ساتھ جیٹھ کا قصبہ ہے۔ جسے ایک چھوٹی سی ریلوے لائن نے سکندر چھوٹو ریلوے سے ملا رکھا ہے۔ یہاں سے ایک زمین دوز ریلوے لائن نکلتی ہے۔ جو چہار گوپریت کے علاقے تک جاتی ہے۔ نویندر پورہ اور نارنگ کے قصبے بھی اسی ریلوے لائن کے ذریعے بڑی لائن سے ملے ہوئے ہیں۔ چھوٹو پورہ اس ریلوے لائن کا آخری اسٹیشن ہے۔ اس سے کچھ دور ادھر "ٹھیکہ گڑھ" کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔

سکندر چھوٹو ریلوے لائن اور اس کے اکثر اسٹیشنوں کا ذکر ہم تفصیل سے کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے نو آباد اسٹیشن اور قصبے ہیں۔ جن کے تذکرہ کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

سوالات

(۱) کچی سڑک اور پکی سڑک میں کیا فرق ہے؟

(۲) دریائے ظفر علیخاں کا پل کس طرح تعمیر کیا گیا؟

(٣) اگر کسی شخص کو کوٹ نوادخان سے برکت گنج جانا ہو۔ تو اُسے کون سا راستہ اختیار کرنا پڑے گا؟

(٤) وادی ٹی لیگ سے کچھو نگر کونسی سڑک جاتی ہے۔ اور اس پر کون کون سے مشہور مقام واقع ہیں۔

(٥) مظفرآباد سے کون کون سی سڑکیں نکلی ہیں۔ اور کیسے نکلی ہیں؟

(٦) دل محمد روڈ کن مقاصد کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔؟ اور کیوں استعمال کی جاتی ہے؟ کیا تمہیں کبھی اس سڑک پر سے گزرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ صاف صاف کہدو گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

(٧) نور پور کہاں واقع ہے؟

(٨) غضنفرنگر کیوں مشہور ہے؟ اور کب سے مشہور ہے۔

(٩) وادی ٹی لیگ کے اہم مقامات کا حال سچ سچ بیان کرو۔

(١٠) محمد وٹ سے میاں پور تک جانا ہو تو کیسے جاؤ گے؟ اور کیونکر واپس آؤ گے۔ ریل پر یا موٹر پر۔ ٹمٹم پر یا بہلی پر۔

ہدایات

استاد طلبہ سے پنجاب کی تمام بڑی بڑی سڑکوں پر سفر کرا لے اور جب وہ تھک جائیں تو انہیں چھٹی دیدے۔

ساتواں باب

مشہور شہر

پنجاب کے نئے شہروں اور بڑے بڑے ریلوے اسٹیشنوں کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس علاقے کے بعض پرانے شہروں کا مختصر حال بھی بیان کر دیا جائے۔

لاہور۔

بہت بوڑھا شہر ہے۔ کئی ہزار سال کی عمر ہو گی۔ اگرچہ اب اس کے

چہرے کی جھریاں نمایاں ہو چکی ہیں۔ کمر جھک گئی ہے۔ ہاتھوں میں رعشہ ہے۔ بینائی بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ تاہم اس کے چم و خم میں ابھی تک فرق نہیں آیا۔

یہ شہر ہمیشہ پھیلتا اور سمٹتا رہا ہے۔ لیکن جس سرعت سے آجکل یہ شہر پھیل رہا ہے۔ اگر اس نے اسی سرعت سے سمٹنا شروع کر دیا۔ تو کوئی عجب نہیں۔ کہ کسی دن سفری تھیلے بلکہ ایک چھوٹی سی ڈبیا میں بآسانی سما جائے۔ اور سچ پوچھیے تو لاہور ہے بھی ڈبیا میں بند کر کے رکھنے کے قابل۔

اس سن و سال کے باوجود لاہور کے مزاج میں بچپن بہت ہے۔ اور اس کی بے چین طبیعت کو ایک حال پر اصلا قرار نہیں۔ لاڈلے بچوں کا ہمیشہ سے یہی حال ہوا کرتا ہے۔ اور لاہور نے تو جہاں بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی ہے۔ وہاں بڑی بڑی مصیبتیں بھی اٹھائی ہیں کچھ مدت سے عجیب حالت میں گرفتار ہے یعنی جب سے اس کی منہ بولی ماں یعنی میونسپلٹی اللہ کو پیاری ہوئیں

بیچارے کا کوئی آسرا نہیں رہا۔ اگرچہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اس بیچارے کی حالت کچھ اچھی نہیں تھی۔ سر کے بال گرد و غبار میں اٹے ہوئے چہرے پر چیچک کے داغ۔ داغ کیا بڑے بڑے گڑھے جنہیں رفو کرنے کے لئے لاکھوں من سیمنٹ کی ضرورت ہے۔ پھر بھی مرحومہ کا دم غنیمت تھا۔

جب سے اس کے سوتیلے باپ مسٹر میکناب نے اس کی پرورش اپنے ذمہ لی ہے۔ اس بیچارے کی حالت بہت خراب ہو گئی ہے۔ کوئی عجب نہیں۔ کہ کسی دن یہ دکھیارا بیتا کا مارا دکھ سہتے سہتے غفرلہ ہو جائے اب تک لاہور کے ساتھ مسٹر میکناب کا یہ سلوک رہا ہے۔ کہ جب یہ بیچارا روتا ہے۔ تو وہ اس کے منہ میں چسنی دے کر سگریٹ پینا شروع کر دیتے ہیں۔ اب یہ بھی سنتے ہیں۔ کہ اس نابالغ کے لئے ایک نئی کھلائی بی کارپوریشن تشریف لا رہی ہے۔ جو ہوس ٹیکس کے مکھن توس پر گذر اوقات کرینگی؂

لاہور پر اپنا قبضہ قائم رکھنے کے لئے پنجاب کے مختلف حصوں کے باشندوں میں مدت سے کھینچاتانی ہو رہی ہے۔ ایک طرف دلی دروازہ کے باہر اعوان کی چھاؤنی اور بلم ٹیروں کا کارخانہ ہے۔ احراری کوہستان کے خانہ بدوش قبائل بھیڑ بکریوں کے گلوں کو چراتے چراتے تھک جاتے ہیں۔ تو دلی دروازے کی دیوار تلے ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔ موچی دروازے کے باہر وادی لیگ کے باشندوں کا اڈا ہے۔ ان کے پاس ہی نیلی پوشوں نے نیل کا ماٹ گاڑ رکھا ہے۔ موری دروازے کے باہر کانگریسی چرخے کی چرخ چوں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کبھی کبھی اشتراکی جوالا مکھی والے بھی ان کوہستانیوں سے ساجھا کرکے اس دروازے کی چھت پر آگ لگاتے نظر آجاتے ہیں۔ لاہور کے قابل دید مقامات میں بدھو کا آوا

ستھروں کی باولی۔ گنڈ شاہ کا تکیہ۔ چھجو بھگت کا چوبارہ۔ ٹھنڈی کھوئی بوٹا مل کا اکھاڑہ۔ بیٹھک کا تھان "بیمار ٹوپیوں کا بھی ہسپتال ہے" اور عرب ہوٹل بہت مشہور ہیں۔ یہاں باغ کئی ہیں۔ لیکن اس میں چمن لال اور گلشن رائے کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے۔

امرت سر

پنجاب کا مشہور شہر ہے۔ اور اکالی جنگلات کے دامن میں واقع ہے۔ جرنیل مارشل اللہ جنہیں بعض لوگ مارشل لا بھی کہتے ہیں۔ اس شہر میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں انتقال فرمایا۔ اس شہر میں تلواروں کا ایک مشہور کارخانہ ہے چنانچہ سیف اور حسام جو مشہور تاریخی تلواریں ہیں اسی کارخانہ میں ڈھلی ہیں۔ سیف کئی معرکوں میں چمکتی ولکتی رہی ہے خصوصاً جرنیل مارشل اللہ کے مقابلے میں یہ تلوار مدتوں بے نیام رہی ہے۔ پھر ایک زمانہ ایسا بھی آیا۔ کہ اس پر تلوار کے بجائے کرپان کا دھوکا ہوتا تھا۔ اب کچھ عرصہ سے یہ تلوار نیام میں ہے۔ اس لئے زنگ آلود ہو گئی ہے۔ حسام جو ایک عام روایت کے مطابق مڈگارڈ کے خالص فولاد سے بنی ہے ہمیشہ احوار ہی کا بستان کے مشہور جرنیل بخاری کے ہاتھ میں رہی ہے۔ ایک زمانے تک یہ دونوں تلواریں آپس میں اس طرح ٹکراتی رہی ہیں۔ کہ دونوں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔

امرت سر کے مشہور تحفے میں کچھے۔ باقر خانیاں پاپڑ اور بڑیاں خاص

طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ شہر مولویوں کی مشہور منڈی ہے۔ غزنی سے یہاں اعلیٰ قسم کا مولوی آتا ہے۔ جوٹین کی صنعت میں بہت کارآمد ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کا مولوی یہاں سے ہر سال حجاز بھی بھیجا جاتا ہے۔ اور بہت قیمت پاتا ہے +

راولپنڈی

بعض لوگ راولپنڈی کو لاہور کی بیوی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ راولپنڈی پر کشمیر پنجاب اور سرحد تینوں کو حق تشفع حاصل ہے۔ پیر جماعت علی شاہ کے سر پر جب امارت ملّیہ کا تاج رکھا گیا۔ تو ان کی تاج پوشی کی رسم یہیں ادا کی گئی تھی۔ مانسہرہ کا ریشہ دار مولوی جو ذائقہ میں بہت تلخ ہوتا ہے۔ یہاں بڑی قیمت پاتا ہے۔ عالم پورہ کی بستی جو شہید گنج کے اینٹوں کے نیلام کے لئے مشہور ہے۔ راولپنڈی والوں نے ہی بسائی تھی۔

سیالکوٹ۔

کاہستانی خانہ بدوشوں کا مشہور مرکز ہے۔ کسی زمانے میں جب ان خانہ بدوشوں نے کشمیر پر چڑھائی کی تھی۔ تو سیالکوٹ میں ان کی بہت بڑی چھاؤنی قائم ہو گئی تھی۔ یہ چھاؤنی اگرچہ اب اچھی حالت میں نہیں۔ پھر بھی اس کے کھنڈروں سے اس مشہور لڑائی کے متعلق بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ بہت پرانا شہر ہے۔ انتخابات کے جھگڑے موسم میں

یہاں بڑے بڑے ہنگامے ہو گزرے ہیں۔

لدھیانہ۔

یہ شہر احراری کاہستان کے "بڈموبوی،، اور شاتو کے لطیفی یا لطیفی کے شاتو کے سبب سے مشہور ہے۔ ایسے ارضِ لُدھی کہتے ہیں۔

جالندھر

یہ شہر شاعروں اور گویوں کی منڈی ہے۔ کبھی زمانے میں یہاں کے شاعروں پر اتحادِ ملت کا قلم بھی لگایا گیا تھا۔ اور لوگوں کو امید تھی۔ کہ یہاں قلمی نیلی پوش کی فصل بہت ترقی کرے گی لیکن یہ امید بار آور نہ ہوئی۔

ان کے علاوہ پنجاب میں بہت سے چھوٹے چھوٹے پرانے شہر ہیں۔ جن کا حال تم آگے چل کے جغرافیہ کی بڑی بڑی کتابوں میں پڑھو گے +

ہدایات

استاد طلبہ کو پنجاب کے ضلعوں تحصیلوں اور مشہور شہروں کے نام بتائے اور نقشے میں دکھائے۔ اس کے علاوہ طلبہ کو مشہور شہروں کی سیر کرا کے وہاں کے قابل دید مقامات دکھائے جائیں +

سوالات

(۱) لاہور کا حدود اربعہ معلوم کرو۔

(۲) بتاؤ لاہور سے مسٹر میکناب کا کیا رشتہ ہے۔ اور یہ رشتہ عارضی ہے۔ یا مستقل۔

(۳) مرحوم میونسپلٹی کے سوانح حیات کسی سے پوچھ کے لکھو؟

(۴) بتاؤ کارپوریشن کے متعلق تم کیا جانتے ہو؟ تم نے کبھی کارپوریشن دیکھی ہے یا نہیں؟ اس کی شکل صورت کیسی ہوتی ہے؟

(۵) غزنوی مولوی اور نسہروی مولوی میں کیا فرق ہے؟

(۶) امرتسر کیوں مشہور ہے؟

(۷) اوپر نیڈی لاہور کی کیا ہوتی ہے؟

خانقاہ معلےٰ — سری نگر کا مشہور مقام جہاں گذشتہ تحریک کشمیر کے زمانے میں پبلک جلسے ہوتے رہے ہیں۔

دریائے الہ بخش — خان بہادر الہ بخش سندھ کے مشہور مدبر ہیں۔

ست پڑا اور بھارگو پر بہت — ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر گوپی چند بھارگو کانگریس کے کرتا دھرتا اور ایک دوسرے کے حریف ہیں۔

میرٹھ اور کانپور — اشتراکیت کے مشہور مرکز ہیں۔ میرٹھ میں اشتراکیوں کے خلاف مقدمہ سازش چلایا گیا تھا۔

فرنگی عامل کامل — دیہات سدھار کا محکمہ جو روشندان بنانے اور کھاد کے گڑھے کھودنے پر بہت زور دیتا رہا ہے مسٹر برین نے قائم کیا تھا۔

نارنگ سہرا اور نریندر ناگ — راجہ نریندر ناتھ اور سر گوکل چند نارنگ پنجاب میں ہندو سبھائی تحریک کے بہت بڑے علمبردار ہیں۔

۳۳ انچ ۵۶ انچ — سکھ تہائی نشستیں مانگتے ہیں۔ مسلمان تناسب آبادی کے امتیاز سے ۵۶ فیصدی۔

شرم کی ساور کرنے } مسٹر وامودر ساورکر ہندو سبھا کے مشہور
کٹیا ڈال رکھی ہے } لیڈر ہیں. کسی زمانے میں بہت بڑے انقلاب
پسند تھے۔ ایک زمانے میں سر سکندر حیات خان
سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے.

منوہر پربت. مسٹر منوہر لال پنجاب کے وزیر مالیات ہیں.
کوہ خضر۔ میجر خضر حیات خان جو وزارت پنجاب کے رکن اور
سر عمر حیات ٹوانہ کے فرزند ہیں.

مجلیٹھ پہاڑ } سر سندر سنگھ مجیٹھیہ کو سکھوں میں بہت اہمیت حاصل ہے
سندر بن } اکالیوں سے بھی ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں۔
میاں کا ٹیلا۔ میاں عبدالحی وزیر تعلیم پنجاب کی خصوصیات کی جانب
چند اشارے ہیں.

کوہ ممدوٹ. نواب سر شاہنواز جو قومی کاموں میں جی کھول کے
روپیہ صرف کرتے ہیں۔

درہ غضنفر۔ راجہ غضنفر علی اتحادی حکومت کے پارلیمنٹری سیکرٹری
گذشتہ انتخاب میں لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے۔
اور اسمبلی میں پہنچکر اتحادی پارٹی میں شامل ہو گئے.

اجل ڈنڈی۔ سردار اجل سنگھ پارلیمنٹری سیکرٹری اور حکومت کے
معتمد علیہ۔ اعتدال پسند سکھوں کے لیڈر ہیں۔

جمیل دولتانہ۔ نواب احمد یار خاں دولتانہ کے تعلقات سر سکندر حیات خاں اور سر شہاب الدین دونوں سے ہمیشہ اچھے رہے ہیں۔ سر سکندر سے تو ان کی صرف دوستی ہے لیکن سر شہاب الدین سے قرابت بھی ہے۔

واہ۔ واہ جو سر سکندر حیات خاں کا وطن مالوف ہے سیمنٹ کے لئے مشہور ہے۔ راقم الحروف نے ایک موقع پر واہ کے تذکرہ میں کہا تھا۔

کیا واہ کی جاگیر پہ نازاں ہے سکندر
قبضہ میں جہازی کے بھی ہے آہ کی جاگیر

پکی روٹی۔ نور نامہ کلاں وغیرہ۔ احسان کے مالک ملک نور الٰہی اخبار نکالنے سے پہلے کتابیں چھاپتے اور فروخت کرتے تھے۔

پرکاش۔ مہاشہ کرشن جو پرتاب کے مالک ہیں۔ پرکاش کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار بھی نکالتے ہیں۔ جس کا تعلق محض آریہ سماجی تبلیغ سے ہے۔ ملاپ کے مالک مہاشہ خوشحال چند بھی آریہ گزٹ کے نام سے سناتنی انداز کا ایک اخبار مدت سے نکال رہے ہیں۔

کالا پانی۔ بھائی پرمانند کسی زمانے میں بہت بڑے انقلاب پسند تھے چنانچہ بغاوت کے جرم میں انہیں قید کر کے کالے پانی بھیجدیا گیا۔ اب مدت سے وہ پکے ہندو سبھائی ہیں۔

سوامی گنیش دت | گو سوامی گنیش دت جی سناتنی ہندوؤں کے مشہور لیڈر جی مہاراج ہیں۔ اور اخبار دیر بھارت کو ان کی اعانت کا بڑا سہارا ہے
اس سلسلہ میں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق دریائے گنگا شوجی کی جٹا سے نکلتا ہے۔

جوئے نور۔ نور دین | محکمہ اطلاعات پنجاب کے ڈائرکٹر میر نور احمد مدت تک سول یا نور ہیڈ | اینڈ ملٹری گزٹ کے اڈیٹوریل سٹاف میں رہ چکے ہیں۔

کالی ناگ - بابو کالی ناتھ رائے ٹریبیون کے ایڈیٹر ہیں۔ میانہ روی اور اعتدال ان کے اندازِ تحریر کی ایک اہم خصوصیت ہے

بلم ٹیر | والنٹیر کی خرابی ہے۔

پہلے بار بے آئیڈیالوجی | اشتراکیت کے اصول و بانی ہندوستانیوں نے آیا کرتی تھی | روس والوں سے سیکھے ہیں۔

"بعد دوا" قسم | پنجاب کے اشتراکی لیڈروں میں زیادہ لوگ متوسط طبقہ کے لیڈر | سے تعلق رکھتے ہیں بعض امیر زادوں میں بھی اشتراکیت کا ذوق پیدا ہو رہا ہے۔

پچھنے گوا گندے نے پنجاب کا ایک عام گیت جو زکات اور ابتذال کے لئے مشہور ہے اس سلسلہ میں جو اشارے کئے گئے ہیں انکی تصریح اس لئے نہیں کرتا کہ سارا لطف جاتا رہیگا۔

ستیہ گرہ کی کان - حیدرآباد کی آریہ سماجی ستیہ گرہ کی جانب اشارہ ہے
بھارگو پربت، ورم بھارگو پربت - اتحادی سطح مرتفع اور ہندو سبھا کی
سطح مرتفع } ازرائی کے متعلق یہاں اشارے کئے گئے ہیں - انکے سلسلہ
میں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر گوپی چند
بھارگو ہندو سبھا کی طرف ہمیشہ مائل رہے ہیں - چنانچہ
جب لالہ لاجپت رائے نے پنجاب میں ہندو سبھا کا علم بلند
کیا تو ڈاکٹر بھارگو کانگریس کو چھوڑ کے ہندو سبھا میں
شامل ہو گئے تھے - اتحاد پارٹی کے ارکان سے بھی ان کے
تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے ہیں -

کچلو نگر - ڈاکٹر سیف کچلو انکا یوں میں بہت رسوخ حاصل ہے -

افتخار پورہ - میاں افتخار الدین کانگریسی بھی ہیں اور اشتراکی بھی -

مظفر کوہ } نواب مظفر خاں سر سکندر حیات خاں کے چچیرے بھائی
مظفر آباد } ہیں - پہلے محکمہ اطلاعات کے ڈائرکٹر تھے پھر حکومت کے
رکن مقرر ہوئے - اب پنجاب اسمبلی کے رکن اور صرف
عفی عنہ ہیں - انکے حالات میں جو اشارے گئے ہیں
وہ بہت لطیف ہیں - اس لئے انکی تصریح نہیں کرتا -

جعفری روڈ - محمد علی جعفری جو نواب نثار علیخاں قزلباش کے معتمد خاص ہیں
انجمن حمایت اسلام کے معاملات میں بہت دخیل رہے ہیں

ٹوانہ گنج ۔ { مجر خضر حیات خان کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے ۔ وہ جنرل سر عمر حیات خان ٹوانہ کے فرزند ہیں ۔

نون پورہ ۔ سر فیروز خان نون جو مدت تک وزارت کے عہدہ پر رہ چکے ہیں ۔ نون خاندان کے مشہور رکن ہیں ۔ اب عرصے سے وہ ہندوستان کے ہائی کمشنر کی حیثیت سے لندن میں مقیم ہیں

نور پور میاں گنج ۔ میاں نور اللہ پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں ۔ پہلے وہ اتحادی تھے ۔ اب عرصہ سے کچھ بھی نہیں ۔

مشتاق گرمانی ۔ خان بہادر میاں مشتاق احمد خان گرمانی پارلیمنٹری سیکرٹری ہونیکے علاوہ اپنے تن و توش کے اعتبار سے بھی خاص امتیاز رکھتے ہیں ۔

برکت گنج ۔ مہدی آباد } ملک برکت علی ۔ ملک زمان مہدی ۔ مسٹر غلام رسول
رسول پور ۔ بستی آباد } بیرسٹر ۔ اور مسٹر عاشق حسین بٹالوی ایک زمانے میں پنجاب مسلم لیگ کے سرگرم کارکن تھے لیکن جب سے اتحاد پارٹی اور مسلم لیگ میں اتحاد ہوا ہے ۔ ان کی ہوا بگڑی ہوئی ہے ۔

عالم آباد ۔ یہاں ڈاکٹر عالم کے متعلق صرف بعض اشارات ہیں وہ ڈاکٹر ہیں جو اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہے اشارہ و کنایہ کا پردہ بالکل اٹھا دیا گیا ہے ۔

بیگم آباد { بیگم شاہنواز۔ پارلیمنٹری سیکرٹری اور تعلیم نسواں
و حریت نسواں کی تحریکوں کی علمبردار ہیں۔ میاں عبدالحی
پنجاب کے وزیر تعلیم ہیں۔ جن کی فیاضیاں مشہور ہیں
مولوی گنج۔ خان بہادر مولوی غلام محی الدین قصوری جو اپنی کوتاہ
قامتی کے باعث مشہور ہیں پنجاب اسمبلی کے رکن
ہیں۔ اور مدت تک انجمن حمایت اسلام میں مختلف عہدوں
پر رہ چکے ہیں
ٹیکم گڑھ۔ چودھری ٹیکا رام پارلیمنٹری سیکرٹری اور سر چھوٹو رام
کے معتمد علیہ ہیں۔
سیف اور حسام۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور شیخ حسام الدین دونوں امرتسر
کے رہنے والے ہیں۔ حسام اور سیف دونوں عربی
کے الفاظ ہیں۔ اور دونوں کے معنی تلوار کے ہیں۔
مڈگارڈ۔ شیخ حسام الدین صرف احرار کے ہی لیڈر نہیں۔ بلکہ
موٹر یونین کی تحریک سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔
جرنیل بخاری۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری امرتسر کے مشہور لیڈر اور جادو
بیان واعظ۔ شیخ حسام الدین پر ان کا بہت گہرا اثر ہے۔
دونوں تلواریں { ڈاکٹر کچلو اور شیخ حسام الدین گذشتہ انتخاب میں ایک
آپس میں { دوسرے کے حریف تھے پہلی دفعہ ڈاکٹر کچلو کامیاب

ہوئے۔ پھر دو مرتبہ چودھری افضل حق کو ان کے مقابلے پر کھڑا کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کانگریس اور احرار دونوں کو شکست ہوئی۔ اور میدان مسلم لیگ اور اتحاد پارٹی کے امیدوار کے ہاتھ رہا۔

غزنوی - غزنوی خاندان امرتسر کا مشہور خانوادہ علم وفضیلت ہے مولوی اسمٰعیل غزنوی جو سلطان ابن سعود کے معتمد ہیں۔ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

مانسہرہ کا مولوی - مولوی محمد اسحٰق مانسہروی ڈاکٹر عالم کے پرانے دوست ہیں۔ گذشتہ انتخابات میں انہوں نے ڈاکٹر عالم کے لئے خون پسینہ ایک کر دیا تھا۔

عالم پوڑ کی لسی۔ ڈاکٹر عالم راولپنڈی والوں کی تائید وحمایت سے ہی انتخاب میں کامیاب ہوئے تھے۔ اور راولپنڈی کے لوگوں نے صرف اس لئے ان کا ساتھ دیا تھا۔ کہ وہ شہید گنج کی تحریک میں پیش پیش تھے۔

بڈمولوی - مولوی حبیب الرحمٰن جو مدت تک مجلس احرار کے صدر رہ چکے ہیں۔ رہنمایان احرار میں خاص اور نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ بڈمولوی "بھی ان کے متعدد القاب میں سے ایک لقب ہے جو صدر مجلس احرار ہونے کے باعث انہیں دیا گیا ہے۔

شاتو اور لطیفی لطیفی لدھیانہ کے ایک ذہین نوجوان ہیں جو شعر بھی کہتے ہیں - ان کے معاملات عجیب ہیں - جو کچھ کہتے ہیں اُسے اخبارات میں بھی نہیں چھپواتے - بلکہ اشتہار کی صورت میں چھاپ کر تقسیم کر دیتے ہیں - شاتو ان کے مکان کا نام ہے جو فرانسیسی زبان کا لفظ اور منزل کا مرادف ہے۔

اتحاد ملت کا قلم شہید گنج کی تحریک سے بہت پہلے مولینا ظفر علیخاں نے جالندھر میں نیلی پوش تحریک شروع کی تھی - چونکہ انہیں دنوں کپور تھلہ میں تعزیہ کے جلوس پر جھگڑا ہوا تھا - اس لئے دن بھر میں ہزاروں آدمی نیلی پوش ہو گئے لیکن مولینا جالندھر سے لاہور آئے - اور لوگوں نے نیلے کرتے اتار پھینکے۔

میاں "محمد حنیف" پرنٹر و پبلشر نے "دین محمدی پریس لاہور" سے چھپوا کر "اردو اکیڈیمی" لوہاری دروازہ لاہور سے شائع کی